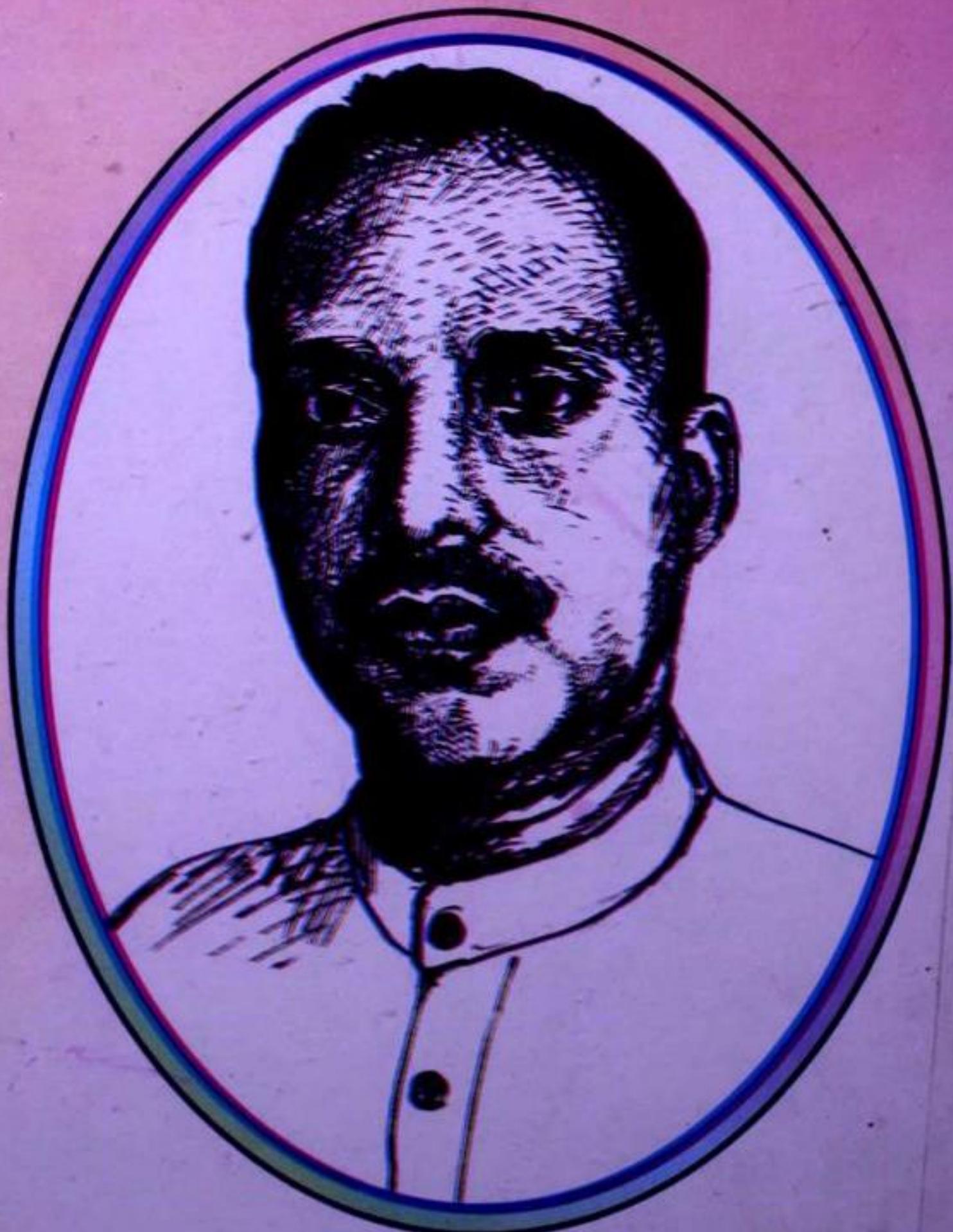


عادل اسیر دہلوی: ایک مطالعہ

(مرتب)

فیروز مظاہر



بسم اللہ الرحمن الرحیم

عادل اسیر دہلوی: ایک مطالعہ

(مرتب)

فیروز مظفر

ملک بک ڈپو

3212، ترکمان گینٹ، دہلی - 110006

E-mail: adabatfal@hotmail.com

Mobile : (0) 98 99 711 762

(جملہ حقوق بحق مرتب محفوظ)

ISBN : 81-87944-68-4

نام کتاب : عادل اسیر دہلوی: ایک مطالعہ

مرتب : فیروز مظفر (انجینئر)

صفحات : 80

تعداد : 500 (پانچ سو)

اشاعت دوم : 2010ء

قیمت : پچاس روپے (50/-)

ناشر : ملک بک ڈپو

مطبع : انیس آفیسٹ پرنٹریس
110006، ترکمان گیٹ، دہلی۔ 3212

مطبع : کوچہ چیلان، دریا گنج، نئی دہلی۔ 110002

AADIL ASEER DEHLAVI : EK MUTALIA

By: Feroz Muzaffar (Engineer)

MALIK BOOK DEPOT

3212, Turkman Gate, Delhi- 110006

E-mail: adabatfal@hotmail.com

Mobile: 098 99 711 762

Price: Rs. 50/-

فہرست مضمائیں

نمبر شمار	عنوان	صفیہ نمبر	مصنف
1	پیش افظ		فیروز مظفر
2	محمد عادل بنام عادل اسیر		ڈاکٹر اسلام پروین
3	عادل اسیر اور ان کے شعری تجربے		سنوری احمد علوی
4	صادئ عادل		ڈاکٹر گلزار دہلوی
5	عادل اسیر دہلوی کی ریباعیاں		پروفیسر نادم بخشی
6	بچوں کا ادب: گم شدہ جنت کی تلاش (عادل اسیر، قلم نامے میں ایک آواز)		ریاض قدوسی
7	عادل اسیر: شاعر طفلگار		عزیز اندوری
8	عادل اسیر دہلوی: اطفال کے احساسات کا ترجمان شاعر		ظہیر کیفی
9	اردو کا سپاہی: عادل اسیر دہلوی		ایس اے رحمٰن
10	"بچوں کی ریباعیاں": ایک مختصر جائزہ		ڈاکٹر محمد محفوظ احسن
11	بچوں کا شاعر: عادل اسیر		نور جہاں ثروت
12	بچوں کے شاعر: عادل اسیر دہلوی		تو قیر احمد خاں
13	ادب اطفال کے تخلیق کار: عادل اسیر		ذکی طارق
14	عادل اسیر کے دو ہے: اردو ادب میں اضافہ		بھگوان داس انجیاز
15	عادل اسیر دہلوی سے ایک ملاقات		مرتضی ساحل تسلیمی
16	"بچوں کے ماپے": عادل اسیر دہلوی کا ایک فنکارانہ اظہار		احسان ٹاقب
17	ادبی تربیت اور شخصیت سازی: ادب اطفال کے تناظر میں		اشفاق احمد عارفی
18	ادب اطفال کا نیا نقش گر: عادل اسیر دہلوی		سعید طارق
19	ادب اطفال کا نمائندہ: عادل اسیر دہلوی (بچوں کی نصیہ کی روشنی میں)		خوشحال زیدی
20	بچوں کے تازہ کار شاعر: عادل اسیر دہلوی		فیروز اختر
21	بچوں کے عادل اسیر		محمد افضل خاں
22	ادب اطفال کے رمز شناس: عادل اسیر دہلوی		ڈاکٹر امین رہبر

پیش لفظ

ہر چند کہ اردو ادب اطفال کے بارے میں پورے وثوق سے یہ کہنا مشکل ہے کہ اس کا آغاز کب اور کہاں ہوا لیکن عام طور پر امیر خرد کو اردو میں بچوں کا پہلا شاعر اور انشاء اللہ خاں کو پہلا نشر نگار سمجھا جاتا ہے۔ البتہ ادب اطفال میں انقلاب پذیری کے واضح رجحانات کا پتہ انسیوں صدی کے وسط میں ہوتا ہے۔ اس عہدے کے نامور قلمکاروں میں ڈپٹی نذری احمد، محمد حسین آزاد، الطاف حسین حالی اور خاص طور پر اسماعیل میرٹھی نے بچوں کے لیے نظم و نثر میں بہت کچھ لکھا تاکہ اردو زبان کی مدریس کے ساتھ بچوں کی ادبی تربیت کے تقاضے بھی پورے کیے جاسکیں۔

اس بات سے کسی شخص کو بھی انکار نہ ہو گا کہ ادب تخلیق کرنا کوئی آسان کام نہیں اور خاص طور سے بچوں کا ادب تخلیق کرنا تو بڑوں کے لیے ادب تخلیق کرنے سے بھی زیادہ مشکل کام ہے۔ کیونکہ عام ادب کا قاری بالغ اور دہن ہے جس کے لیے تریل کا مسئلہ نہیں ہوتا۔ جبکہ ادب اطفال کے قاری نبچے ہوتے ہیں جن کا ذہن ناپختہ ہوتا ہے۔ اس لیے نثر و ہو یا نظم ان کے لیے کسی الجھاؤ یا چیخیدگی بیان کے بغیر سیدھے سادے اور آسان لفظوں میں ہوتے ہیں۔ موضوع کے تعلق سے بھی بچوں کی ذہنی صلاحیت اور استعداد کو سامنے رکھنا پڑتا ہے۔ بچوں کے اتنے گروپ کا خیال بھی پیش نظر ہوتا ہے، یعنی کس عمر کے بچوں کے لیے لکھا جا رہا ہے جبکہ ادب بالغان کے ساتھ یہ صورت حال پیش نہیں آتی۔

یہ شکایت بھی اردو طبقہ میں عام ہے کہ ادب اطفال کی طرف اردو قلم کا رزیادہ توجہ نہیں دیتے، اس کی متعدد وجہات ہیں۔ اول تو یہ کہ اردو دنیا میں ادب اطفال کے قلمکاروں کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی جاتی۔ علاوہ ازاں اس شعبہ ادب میں ہمارے چند شعرا و ادباء کے سوائے کسی نے

مستغل مزاجی اور سنجیدگی سے کام نہیں کیا ہے۔ اخبارات و رسائل کے مدیران و مالکان اور بڑے اور معروف ناشرین بھی سودو زیار کے چلدر میں اس طرف کم دھیان دیتے ہیں۔ عام تاریخ میں کا روئیہ بھی بچوں کے شاعروں اور ادیبوں کے ساتھ اچھا نہیں ہوتا۔ دیگر یہ کہ بڑوں کا ادب تخلیق کرنے پر جو شہرت دولت اور داد و تحسین تخلیق کاروں کو حاصل ہوتی ہے۔ اس سے بھی ادب اطفال کے قلمکار محروم رہتے ہیں۔ انعامات کی تقسیم کے وقت بھی ادب اطفال کو دوسرے یا تیسرا دوسرے درجہ کے زمرے میں رکھا جاتا ہے اور دیدہ و دانستہ قلمکار کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے انہی اسباب کی بناء پر ادب اطفال کو نظر انداز کرنے کی عادت عام طور پر پائی جاتی ہے۔

درج بالاسطور میں سرسری طور پر صرف چند ہی وجہات کو احاطہ تحریر میں لایا جا سکتا ہے، اگر اس سلسلے میں تفصیل سے لکھا جائے تو دفتر کے دفتر سیاہ ہو جائیں گے۔ بہر حال اردو میں اس حوصلہ شکن ماہول کے باوجود ہمارے تمام اہم قلمکاروں نے بچوں کے لیے زیادہ نہیں تو تھوڑا بہت ضرور لکھا ہے۔ امیر خرسو کی پہلیاں صدیاں گزر جانے کے باوجود آج بھی بچوں میں مقبول ہیں اگر خصوصی طور پر انیسویں صدی میں کوئی شاعر ہے جس نے بچوں کے لیے لکھا ہے تو وہ نظیر اکبر آبادی ہیں۔ ویسے مرزا غالب نے بھی ” قادر نامہ ” لکھ کر ادب اطفال میں کچھ نہ کچھ اضافہ ضرور کیا ہے لیکن صحیح طور پر جن لوگوں نے ادب اطفال کی آبیاری کا بنیادی کام کیا ہے اُن میں اطاف حسین جالی، مولا نا محمد حسین آزاد اور اسماعیل میرٹھی کے اسمائے گرامی نہایت اہمیت کے حامل ہیں۔ ان کے ساتھ ہی اردو کے عظیم شاعر علامہ اقبال نے بھی بچوں کے ادب کی طرف خصوصی توجہ دی اور اپنی شاہکار نظموں سے ادب اطفال کو مالا مال کیا۔ ان کی نظمیں اپنی انفرادیت اور نوعیت کے اعتبار سے بے مثال ہیں۔

بیسویں صدی کے ادیب اور شاعروں میں ڈاکٹر ڈاکٹر حسین افسر میرٹھی اور شفیع الدین غیر لاائق توجہ ہیں۔ پروفیسر مظفر حنفی نے اپنے ایک مضمون ” اردو میں ادب اطفال ” میں تحریر کیا ہے:

” آزادی کے بعد بچوں کے لیے لکھنے والوں کی جو نئی نسل منظر عام پر آئی ”

اس میں ذکی انور، سراج انوار، مظفر حنفی، اظہر افسر، جگن ناٹھ آزاد، محبوب راہی، قاضی انصار، قاضی حسن رضا، اظہر اثر، علقمہ شبیلی، انور کمال حسینی، اظہر پرویز وغیرہ اور بہت سے دوسرے شامل ہیں۔“

گزشتہ دور کے مقابلے میں آج گل بچوں کے ادب کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ ہمارے قلمکار ہی نہیں بلکہ قارئین بھی بچوں کے ادب کو اہمیت دینے لگے ہیں۔ ادب اطفال پر شائع ہونے والی کتابوں کی تعداد اور ان کا معیار بھی بہتر ہوتا جا رہا ہے۔ کئی بڑے ادیب اور شاعر ایسے ہیں جن کی شہرت اور شناخت ادب اطفال کے حوالے سے ہے۔ دہلی، اتر پردیش، بہار، بنگال، اور مہاراشٹر کے کئی نوجوان شاعر اور ادیب بہترین ادب تخلیق کر رہے ہیں۔ دہلی میں بھی اس سلسلے میں کچھ کام ہوا ہے، خاص طور پر شفیع الدین نیر، سراج انور، مظفر حنفی اور اظہر اثر نے اس جمود کو توڑنے میں اہم رول ادا کیا ہے۔ لیکن ان کے علاوہ ایک فنکار ایسا بھی ہے جس نے ہر چھوٹے بڑے ادیب نقاد اور شاعر کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے اس فنکار کا نام ہے عادل اسیر دہلوی، جس نے ادب اطفال کے ہر گوشے کی اپنے قلم سے آہیاری کی ہے۔ وہ شاعر بھی ہیں، ادیب بھی اور مترجم بھی۔ ادب اطفال میں انہوں نے طنز و مزاح کو شامل کر کے بچوں کی دلچسپی کو بڑھایا ہے۔ نئی نئی اصناف تھن میں طبع آزمائی کر کے نئے پن کا احساس دلایا ہے۔ وہ اس دور میں بچوں کے مقبول ترین شاعروں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی متعدد کتابیں منظر عام پر آ کر نئے منئے قارئین میں مقبولیت حاصل کر چکی ہیں۔ متعدد کتابیں مختلف اردو اکادمیوں کے ذریعے انعامات سے نوازی جا چکی ہیں۔ موجودہ دور کے تقریباً ہر چھوٹے بڑے نقاد، شاعر اور ادیب نے ان کے فن پر کچھ نہ کچھ ضرور لکھا ہے۔ کئی کتابیں ان کی شخصیت اور فن پر شائع ہو چکی ہیں۔ جن میں، عظیم اختر، احسان ثاقب، ڈاکٹر سید مصصوم رضا نے ان کے فن کو خوب سراہا ہے۔ پروفیسر مظفر حنفی بھی ان کو ایک اچھا شاعر مانتے ہیں اور انھیں عادل اسیر سے بہت امید ہیں ہیں۔ یقیناً یہ عادل اسیر کی ہر دل عزیزی اور مقبولیت ہی ہے کہ اتنے اہم قلمکاروں نے ان کے فن کا اعتراف کیا اور ان کے فن پر مضامین بھی پر قلم کیے۔ یہ کتاب ”عادل اسیر ایک مطالعہ“ ایسے ہی بعض منتخب مضامین کا مجموعہ ہے جن میں عادل اسیر کے فن اور ان کی شخصیت کا اعتراف خلوص دل سے کیا گیا ہے۔ یہ تمام مضامین اس

کتاب میں شامل ہونے سے پہلے ہی مختلف اخبارات و رسائل اور کتابوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ عادل اسیر دہلوی ایک طویل عرصہ سے بچوں کے لیے لکھ رہے ہیں لیکن ان کے قلم کی جوانی آج بھی قائم ہے۔ ان کے اس فلندانہ انداز سے متاثر ہو کر ہی میرے ذہن ان مضامین کو کتاب کی شکل میں جمع کرنے کا خیال آیا تھا۔ اس کتاب میں جن حضرات کے وقیع مضامین عادل اسیر کے فن اور ان کی شخصیت کے تعلق سے جمع کیے گئے ہیں وہ ادبی دنیا کی معروف شخصیتیں ہیں۔

مثلاً: ڈاکٹر اسلم پرویز، ڈاکٹر تنوری احمد علوی، ڈاکٹر گلزار دہلوی، پروفیسر نادم بلجنی، ریاض قدوالی، پروفیسر عزیز انوری، ظہیر کیفی، ایس اے رحمن، ڈاکٹر محفوظ الحسن، نور جہاں ثروت، ڈاکٹر تو قیر احمد خاں، ذکری طارق، بھگوان داس اعجاز، مرتضی ساحل تسلیمی، احسان ثاقب، اشFAQ احمد عارفی، سعید طارق، ڈاکٹر خوشحال زیدی، فیروز اختر، محمد افضل خاں اور ڈاکٹر امین رہبر وغیرہ اردو کی ادبی دنیا میں تعارف کے محتاج نہیں۔ مزید برآں یہ کہ شاید اس کتاب میں شامل مضامین کو پڑھ کر عادل اسیر کے فن اور ان کی شخصیت کو زیادہ بہتر طریقے پر سمجھا جاسکے جس کے نتیجے میں ہمارے بعض دوسرے فلم کاروں کو بھی بچوں کا ادب تخلیق کرنے کی تحریک ملے اور وہ مشاعروں اور سمیناروں کے سحر سے نکل کر اردو کے بنیادی کام یعنی ادب اطفال کی طرف متوجہ ہو سکیں کیونکہ اگر ہم اردو زبان کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں ادب اطفال کی اہمیت و افادیت کو سمجھنا ہو گا۔

آخر میں ان تمام حضرات کا شکر یہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں جن کے مضامین اس کتاب میں شامل کیے گئے ہیں۔ یقین ہے کہ یہ کتاب عادل اسیر کی شخصیت کو متعارف کرانے کے ساتھ ادب اطفال کی تحریک کو فعال بنانے میں بھی معاون و مددگار ثابت ہو گی۔

کتاب کے بارے میں اپنی رائے مجھے ضرور لکھیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کتاب کو مزید بہتر بنایا جاسکے۔

فیروز مظفر (انجینئر) (کیم جون ۲۰۰۷ء)

D-40، بہلہ باؤس، نئی دہلی - ११००२५

فون: ۰۱۱۲۹۸۷۳۷۰

محمد عادل بنام عادل اسیر

ڈاکٹر اسلم پرویز

بچوں کے ادیب کی حیثیت سے عادل اسیر اتنے معروف ہو چکے ہیں کہ اب اگر ان پر کچھ لکھنا ہو تو تحریر کے آغاز میں ادھرا دھر کی رسمی باتیں کرنے کے بجائے براہ راست گفتگو شروع کی جاسکتی ہے۔ تو پھر معاملہ یہ ہے کہ جب محمد عادل نے لکھنے لکھانے کا کاروبار سنبھالا تو بحیثیت شاعر انہوں نے اپنا اسیر تخلص تجویز کیا اور اس طرح وہ محمد عادل نے عادل اسیر یا عادل اسیر دہلوی ہو گئے۔ اسیر تخلص کے انتخاب میں چاہے ان کی شعوری کوشش کا داخل ہو یا کوئی لاشعوری عمل کار فرما ہو دونوں صورتوں میں یا ان کے ادبی مزان اور مذاق کا ترجمان ہے۔ اس لیے کہ عادل اسیر کی ترکیب میں صنعت مراعات انظیر کا عکس بھی ہے اور صنعت تضاد کی چمک بھی۔ اردو کی ادبی روایت اس بات کی مقاضی ہے کہ آپ خود کو محض اردو زبان کی لیاقت تک محدود رکھ کر خن بخی کے مرتبے کوئی پہنچ سکتے اور عادل اسیر صرف اردو تک محدود نہیں، ملاحظہ ہو:

”آگرہ یونیورسٹی سے اردو ایم اے کا امتحان ۱۹۸۷ء میں سینڈ ڈویژن سے پاس کیا۔ ۱۹۸۸ء میں پنجاب یونیورسٹی سے عربک آزرز کیا۔ فارسی، ایران کلچرل سینٹر، نئی دہلی میں سیکھی اور ہمیشہ امتیازی نمبروں سے کامیاب ہوا۔ عربک آزرز میں فرست ڈویژن سے پاس ہوا تھا۔ از خود ہندی، پنجابی اور انگریزی میں محنت کی اور تھوڑی بہت استعداد ان زبانوں کے لکھنے پڑھنے میں بھم پہنچائی۔“ (عادل اسیر دہلوی سے ایک ملاقات، مرتضیٰ ساحل تسلیمی، نور، رام پور، ستمبر ۱۹۹۶ء صفحہ ۳۲)

اپنی تاریخ پیدائش کے اعتبار سے اس وقت عادل اسیر عمر کے اتنا یہ سویں سال کے ستممیلے کی تیاری میں ہیں (ولادت ۲۱ ستمبر ۱۹۵۹ء) گویا اب چالیس برس کوئی بہت دور کی بات نہیں۔ مصححتی نے اپنے ایک قصیدہ میں کسی امیر سے تخفیف تھواہ کی شکایت کرتے ہوئے لکھا تھا

چالیس برس کا ہی ہے چالیس کے لائق
تھا مرد عمر کہیں دس بیس کے لائق

گویا صحیحی کے زمانے میں چالیس برس کا آدمی "مرد عمر" ہوا کرتا تھا۔ آج عمر ہونے کا تعلق عمر سے کم اور آدمی کی بیت کذائی سے زیادہ ہے۔ یوں بھی آج کل چالیس برس تو بعض اوگوں کو نٹھکانے کی توکرہی ڈھونڈنے میں لگ جاتے ہیں۔ جہاں تک عادل اسیر کا تعلق ہے انھیں ان کی ادبی فتوحات کے اعتبار سے آپ عمر کہ لیں تو کوئی مفہماً نہیں اس لیے کہ ان کی تصانیف و تالیف کی تعداد پچیس سے تجاوز کر چکی ہے۔

اردو میں بچوں کے ادب کی صورت حال کچھ تسلی بخش نہیں ہے۔ اول تو بچوں کے لیے لکھنا بعض اوگ کا رفضوں سمجھتے ہیں۔ چج پوچھیے تو بچوں کے لیے لکھنا اتنا آسان بھی نہیں۔ جو لوگ اردو میں بچوں کا ادب تخلیق کرتے بھی رہے ہیں ان میں بھی خاصی تعداد ایسے ادیبوں کی ہے جو بچوں کے نام پر بچکانہ ادب تخلیق کرتے رہے ہیں۔ صحیح معنوں میں بچوں کا ادیب بننے کے لیے سب سے پہلے خود بچہ بننا ضروری ہے۔ یعنی یہ کہ بچے کس طرح سوچتے ہیں۔ وہ آس پاس کی دنیا کو کس طرح دیکھتے ہیں، نظام کائنات کے بارے میں ان کے ذہنوں میں کس طرح کے سوال اٹھتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ غرض بچوں کا ادیب بننے سے پہلے بچوں کا ماہر ہونا ضروری ہے۔ ہمارے یہاں کچھ دن پہلے "بچوں کا ادبی ٹرست" نے ایک سلسلہ ایسے ورکشاپ کا شروع کیا تھا جہاں بچوں کے لیے لکھی جانے والی چیزیں چھپنے سے پہلے غور و خوض کے لیے لائی جاتی تھیں۔ اس ورکشاپ میں بچے بھی شرکت کرتے تھے جہاں وہ ان تحریروں پر اپنار عمل پیش کرتے تھے۔ عادل اسیر جیسے خداداد صلاحیتوں کے ادیبوں کی تحریروں کو اگر اس طرح کے ورکشاپ سے گزرنے کا موقع ملے تو وہ اور نگھر سکتی ہیں۔

عادل اسیر کے بارے میں کچھ لوگوں کے مفہما میں نظر سے گزرے۔ ان میں زیادہ تر مھما میں ایسے ہیں جن میں عادل اسیر کی شاعرانہ حیثیت پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ میرے خیال میں عادل اسیر کو بچوں کا شاعر کہنے کے بجائے بچوں کا ادیب کہنا شاید زیادہ صحیح ہو۔ اس لیے کہ عادل اسیر نے بہت سے موضوعات کا لفظ کے ساتھ ساتھ نثر میں بھی خوبصورتی سے احاطہ کیا ہے۔ پروفیسر عنوان چشتی اور عظیم اختر صاحب، عادل اسیر کو ایک شاعر کے روپ میں دیکھنا شاید اسی لیے پسند کرتے ہیں کہ انہوں نے تخلیق کے لیے زیادہ تر لفظ ہی کا میدان چتا ہے۔ البتہ جہاں تک ترتیب، تلخیص، تالیف اور ترجیع وغیرہ کا تعلق ہے اس شعبے میں ان کی کتابیں لفظ سے زیادہ نثر میں ہیں۔ عادل اسیر کے بارے میں یہ بات توجہ طلب ہے کہ ان کے دو تراجم "چ کی تلاش" اور

”بیجو ماما“، نیشنل بک ٹرست جسے قومی ادارے سے شائع ہو چکے ہیں۔ بچوں کے لیے کن کن موضوعات پر لکھا جاسکتا ہے اس بات پر عادل اسیر کی نگاہ برابر رہتی ہے۔ اسی لیے نئے سے نئے موضوعات پر ان کی کتابیں برابر آتی رہتی ہے۔

عادل اسیر کی مختلف النوع تالیفات پر نظر دالیے تو اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے بچوں کے ادب کے میدان میں بے سوچ سمجھے قدم نہیں رکھا ہے بلکہ بچوں کے ادب کے ساتھ انھیں ایک طرح کا فطری لگاؤ ہے۔ اس لیے اردو کی کہاوتمیں ہوں، گلستان کی حکایات ہوں یا اردو کے ان نامور شعراء کا کام جو بچوں کے لیے تصنیف کیا گیا ہے وہ ایسی تمام چیزیں بچوں کے لیے ترتیب دیتے رہتے ہیں۔ آج کل اردو میں لکھنا اور خاص طور پر بچوں کے لیے لکھنا اور کتابیں چھپوانا ایک گھانے کا سودا ہے۔ لیکن عادل اسیر مستقل مزا جی اور انہماں کے ساتھ اس شغل میں مصروف ہیں۔ اس لیے کہ وہ یہ کام کسی کاروباری منفعت کے لیے نہیں بلکہ اس لیے کرتے ہیں کہ ان کا مزاج اس کام کے ساتھ ہم آہنگ ہے۔ اور یہی چیز انھیں معتبر بناتی ہے۔

عادل اسیر انتہائی مہذب، با ادب اور شاستہ نوجوان ہیں۔ وہ بلا کے زم گفتار ہیں۔ دوران گفتگو ان کے ہونٹوں پر قبسم کھیلتا رہتا ہے۔ سادگی ان کے لباس، ان کے رو یہ، ان کے طرز زندگی، ہر چیز سے جھلکتی ہے۔ لیکن ایسا بھی نہیں کہ ان کے اندر کوئی شعلہ، کوئی بجلی، کوئی طوفان چھپا ہوانہ ہو۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ یہ اتنے سارے کام بھلا کیسے کر پاتے۔ جس سماج میں ہم جی رہے ہیں وہاں زیادہ تر لوگوں کے سروں پر ہزیمت اور نافضانی کی تلوار اٹک رہی ہے۔ اس صورت حال کو کچھ لوگوں نے مقدر کے طور پر تسلیم کر لیا ہے۔ اور کچھ اس کے خلاف ایک معاندانہ جذبے کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں۔ ایک سچے ادیب اور شاعر کی شخصیت زم اور گرم کے امتحان کا دوسرا نام ہے۔ ایسی صورت میں وہ شمع کی طرح جلتا اور موم کی طرح پگھلتا رہتا ہے۔ بچوں کے ساتھ عادل اسیر کی انسانی اور فکارانہ و فاداری ان کے سارے زخموں پر مرہم رکھتی چلی جاتی ہے۔ اسی لیے ”بچوں مala“، میں شامل عادل اسیر کی نظم ”رکشے والا“، بچوں کے نقطہ نظر سے بچوں کی نظم ہے اور خود عادل اسیر کے نقطہ نظر سے ایک ایسی علامتی نظم ہے جو خود عادل اسیر کے لیے اور ہمارے آپ کے سب کے لیے ایک علامتی نظم ہے۔ جس کا آخری مضمون تمام ہزیمت کو ایک انہساط میں

بدل کر رکھ دیتا ہے۔ یہ لفظ ملاحظہ ہو جس کے بعد عادل اسیر کے لیے میرے پاس کہنے کا اور کچھ نہیں:

رکشے والا

دیکھو! غریب سُکنی زحمت انھا رہا ہے
مگیوں میں بھیڑ والی رکشا چلا رہا ہے
محروم ہے اگر چہ دنیا کی نعمتوں سے
ہر بوجھ زندگی کا ہنس کر انھا رہا ہے
برسات میں بھی دیکھو پھرتا ہوا سڑک پر
رکشا بھی بھیگتا ہے خود بھی نہا رہا ہے
گرمی کی دھوپ میں بھی کتابیں ہے گھر میں
پر چیخ راستوں کے پھیرے لگا رہا ہے
سردی سے کانپتا ہے کپڑے پھٹے ہوئے ہیں
انھنڈی ہوا سے خود کو کیسے بچا رہا ہے
لغہ کوئی سریلا اب گنگنا رہا ہے
رکشے کے پیداؤں پر رکھے ہیں پانو دلوں
آنکھیں ہیں راستے پر گھنٹی بجارتا ہے

ماں باپ منتظر ہیں گھر پر سمجھی کے عادل
بچوں کو اب وہ لینے اسکول جا رہا ہے

(مطبوعہ: مضمون "گیت مala"، صفحہ ۲۳، اشاعت ۱۹۹۹ء)

عادل اسیر اور ان کے شعری تجربے

ڈاکٹر نوریہ احمد علوی

عادل اسیر قدیم دہلی کے رہنے والے ہیں۔ ترکمان دروازے کے قریب جہاں بھی نواب مظفر الدولہ کی ایک عظیم الشان حوتی جو عہد شاہ جہانی کے امراءِ دولت میں سے تھے۔ یہاں قریب میں فیروز شاہی مسجد ہے اور حضرت شمس العارفین کی تاریخی درگاہ بھی۔ اسی علاقے کے ایک گوشے میں رضیہ سلطان بنت سلطان شمس الدین کی قبر بھی ہے۔ بے چراغ و بے نشان جو دنیا کی بے ثباتی پر گواہی دے رہی ہے۔ ایسے تاریخی ماحول میں جو زمانے کے ایک طویل اور عظیم دور کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہو ایک حساس ذہن جب سانس لیتا ہے تو اس کا تخلیقی شعور جاگتا ہے اور راہِ حیات کے سفر میں اس کا مشاہدہ ہر موڑ پر اسے ایک نئے نشان سفر اور چراغ راہ سے آشنا کرتا ہے۔

عادل اسیر نے اپنی حیات کے اس ثقافتی ماحول اور تاریخی آثار سے بہت کچھ سوچنے اور سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ وہ ایک حساس طبیعت رکھنے والے جوان المعرفت ہیں۔ برابر لکھتے پڑھتے رہتے ہیں۔ ادبی مخالفوں اور علمی مباحث و مذاکرات میں ذوق و شوق سے شرکت کرتے ہیں اور جو کچھ سنتے اور سمجھتے ہیں اس پر بتا دلہ خیالات کرتے اور اسے اپنی فکر کا حصہ بناتے نظر آتے ہیں۔

انھوں نے نظم و نثر میں بہت کچھ لکھا ہے جو چھوٹی چھوٹی کتابوں کی شکل میں اشاعت پذیر ہوتا رہا ہے اور اب بھی ان کا نیا مجموعہ زیر طبع ہے۔ کسی باقاعدہ ادبی ادارے کی سرپرستی یا کسی ادبی حلقة کا تعاون ان کو نہیں ملا ہے اس پر بھی وہ برابر کام کرتے رہتے ہیں۔ ان کی اپنی ادبی شخصیت کے خدو خالی نقش گردی اور قدر شناسی میں ان کا اپنا شعور اور اس کی ترجمانی کرنے والی صریر خامہ ہی زیادہ شریک ہے۔

وہ زیادہ تر بچوں کے لیے لکھتے رہتے ہیں جو ایک بڑی بات ہے۔ ہمارے یہاں ایسے ادیبوں اور شاعروں کی تو ایک اچھی خاصی تعداد ہے جنھوں نے بچوں کے لیے بھی لکھا ہے۔ حالی، اقبال اور ان کے بعد کے کئی ادیب اس زمرے میں آتے ہیں لیکن ایسے ادیب کم ہیں جنھوں نے اپنی تخلیقی صلاحیتوں اور فلکر رسائیوں کو بچوں کے ادب کی تخلیق میں صرف کیا ہو۔

موجودہ زمانے میں تو ایسے ادیبوں اور شاعروں کی تعداد اور بھی کم ہو گئی ہے۔ عادل اسرا ایسے ہی مخفشم اوآخر میں سے ہیں جنہوں نے بچوں کے ادب کی خدمت کو خالص خاطر کے ساتھ قبول کیا ہے اور اس شمن میں ان کا کام ان کی ادبی زندگی کے بڑے حصے پر پھیلا ہوا ہے۔ انہوں نے بعض ادب پاروں کے ترجمے اور بعض اہم تخلیقی شہ پاروں کی ترجمانی کی یعنی ان سے تصور اور تاثر لے کر اپنی بات کی۔ بچوں کے لیے لکھنا اس لیے زیادہ لاائق تعریف اور قبل توجہ امر ہوتا ہے کہ اس کوشش میں شخصی نمائش کی خواہش کو کم سے کم دخل ہوتا ہے اور ایک انسان اس سطح پر اتر کر سوچتا ہے جو بچوں کے اپنے نشوونما اور اس کے معاشرتی ماحول کی دین ہوتی ہے۔

مشکل الفاظ اور روایتی مضمایں کا سہارا یہاں ادیب کے قلم کو بے سہارا کر دیتا ہے اور اسی لیے نئے الفاظ کی تلاش ہوتی ہے۔ اس شمن میں بچوں کی نفیات اور ان کے طرز ادا کو اپنانے کی بیش از بیش ضرورت پیش آتی ہے۔ حالی نے تشخص الفاظ کو فکر شعر کے سلسلے میں ضروری قرار دیا ہے۔ بچوں کے ادب و شعر میں اس کے ساتھ سادہ سبل اور عوام کی زبان پر رہنے والے الفاظ کا تجسس اور اس سے وابستہ شعری تجربے کی طرف توجہ اور بھی ضروری ہو جاتی ہے۔ عادل اسرا نے اس معاملے میں جس تخلیقی تجربے کی سعی کی ہے وہ لاائق تعریف ہے۔

آج کل وہ بچوں کے لیے رباعیاں لکھ رہے ہیں۔ رباعی کافن ایک مشکل اور پیچیدہ فن ہے۔ اس میں بیت کے تجربے نہیں کیے جاسکتے۔ اس کی بیت اور شعری حدود متعین ہیں۔ جو کچھ کہنا ہے وہ چار مصرعوں میں ہی کہا جانا چاہیے اکثر ویشور پہلا دوسرا اور چوتھا مصرع ردیف وقوافی سے آراستہ ہوتا ہے اور فکر فرمائی کے وقت رباعی کی اپنی حد بندیوں سے کوئی شاعر آزاد نہیں ہو سکتا۔ قطعہ بھی عام طور پر چار مصرعوں کا ہی ہوتا ہے لیکن اس میں بھروسہ کی پابندی عام طور پر نہیں ہوتی اور تعداد اشعار کا تعین بھی قطعی اور حتمی نہیں ہوتا۔ اس لیے بعض ادیب اور مرتبین اشعار یہ غلطی بھی کر جاتے ہیں کہ بظاہر جو تخلیقی شعر کا نمونہ چار مصرعوں پر مشتمل ہو وہ رباعی سمجھ لیا جاتا ہے جبکہ ایسا نہیں ہے۔ عادل اسرا بھی اس نکتے کو سمجھتے ہیں اور خود کو رباعی کی فنی حدود کا پابند سمجھتے ہیں۔ ان کے سامنے یہ مشکل ضرور رہی ہے کہ رباعی جیسی صنف شعر کی نزاکتوں سے بچے واقف نہیں ہوتے۔ اس کی روایت کوئی شاعری کے سانچے میں ڈھالنا یوں بھی ایک شاعر کی مشکل کو مشکل تر بنادیتا ہے۔ بہر حال عادل اسرا نے بہت سی رباعیاں کی ہیں اور بچوں کے ادب کو سامنے رکھ کر کہی ہیں۔ یہ رباعیاں ہمارے ادب کا حصہ ہیں۔ ان کی بعض رباعیوں کو یہاں پیش کیا جاتا ہے جن

سے ان کے انداز نگارش اور طرز گذارش کا ایک عمومی تعارف ہو جاتا ہے:

جب قول کرو زبان سے چا کرنا جب عہد کرو کوئی تو پکا کرنا
ہے وعدہ خلائق میں برائی عادل جھوٹا نہ کبھی کسی سے وعدہ کرنا
طااقت پہ اکڑتے ہو برا کرتے ہو دشمن سے بھی اچھا نہیں لڑنا پچو
بے کار بگزتے ہو برا کرتے ہو ہمایے سے لڑتے ہو برا کرتے ہو
اور کام میں لاتا ہوں یہ تدبیر سدا لکھتا ہوں پھر پھر کے تحریر سدا
ہر لفظ نظر آتا ہے تصویر سدا یہ راز ہے میری خوش خطی کا عادل
پیکر ہیں شجاعت کا بہادر بچے انعام ہیں قدرت کا بہادر بچے
سرمایہ ہیں ملت کا بہادر بچے ماں باپ کو ہے ناز تو ہے قوم کو فخر
تمغہ اسے انعام میں ذلت کا ملا معلوم ہے انعام جو جھوٹے کا ہوا
ہوتا ہے بہت خوار جہاں میں جھوٹا بچے کی سدا ہوتی ہے عزت پچو
استاد کو ناراض بھی دیکھو گے میاں گردوں کی قیمت نہیں سمجھو گے میاں
اسکول بھی تاخیر سے پہنچو گے میاں جب صحیح کے اٹھنے میں کرو گے ستی

(مطبوعہ: ماہ نامہ "گل چشم" ، دہلی، صفحہ ۲۳، ۲۰۰۰ء)

صادے عادل

ڈاکٹر گلزار دہلوی

اردو زبان کا انضباط خیال اور نقش سیاہ برپید، سلسلہ تحریر، اتنا غیر منقطع تسلیم ہے کہ انگور کی نیل کی طرح جتنا "کاؤ" بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ نامساعد تین حالات میں بھی یعنی تقسیم وطن اور آزادی ملک کے بعد بھی، جب اس کی بپتا کا دور شروع ہوا اور جان کے لالے پڑ گئے بالخصوص رسم الخط پر جو بیرونی یعنی غیروں کے اور اپنوں کے جو حملے ہوتے رہے، اس کے باوجود ۱۹۷۴ء کے بعد بھی ہر دس برس کے وقفے سے، اردو کے اہل قلم کی ایک نئی پودکھڑی ہوتی چلی جا رہی ہے۔ "۲۷ سے ۵۷، ۵۷ سے ۶۰، ۶۰ سے ۸۰ اور ۸۰ سے ۹۵" تک چار پانچ قرنوں میں ایسے اہل علم و فن، ادب و شاعر، افسانہ نگار، معلم و مدرس اور محقق و نقاد پیدا ہوئے ہیں اور ہوتے چلے جا رہے ہیں جنہوں نے فصحاء و اساتذہ اور اہل زبان اور مستند زبان دان اسلاف کا منہ نہیں دیکھا، ان کی صحبتیں نہیں اٹھائیں مگر اردو کے نئے خود روپوںے بھی اپنے خدوخال اور آرائش رخ جمال لیلی اردو سے غافل نہیں رہے اور اپنے مزین نقوش کھینچتے چلے جا رہے ہیں۔

اگر میں آزادی کے بعد کے اہل قلم کا مختصر ساز کر بھی کروں تو بڑی طویل فہرست مرتب ہو گی اور ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو اس وقت اردو ادب کے پیشو اور محافظ اور اہم ترین مصنف کہلاتے ہیں۔ مثلاً: ڈاکٹر شمار احمد فاروقی، ڈاکٹر خلیق الجنم، ڈاکٹر اسلم پروین، ڈاکٹر صدیق الرحمن قدوالی، ڈاکٹر تنور علوی، ڈاکٹر عنوان چشتی، ڈاکٹر شارب رد ولی، ڈاکٹر کامل قریشی وغیرہ حضرات جو آزادی وطن کے بعد طوع ہوئے مطلع ادب پر چھا گئے۔

ای طرح شعرا، میں امیر قزلباش، مجموع سعیدی، شجاع خادر، نریش کمار شاد، کرشن مون، راج نرائن راز، بانی، کمار پاشی، حیات لکھنوی، چندر بھان خیال، فرحت احساس، زبیر رضوی، نظر برلنی، عشرت کرتپوری، حبیب عاصم، نصرت گوالیاری، قمر سنبھلی، نظمی سکندر آبادی، روف رضا، عزیز بکھروی، نور جہاں ثروت، خاک دہلوی، خندان دہلوی، شہباز ندیم وغیرہ حضرات اور یہ جملہ تیس پنچیس حضرات تو میتے از خروارے صرف وہ اہل قلم ہیں جو صرف ایک"

انجمن تعمیر اردو، دلی، کی دین ہیں۔

ہندوکالج، سینٹ اسٹیفن کالج، رام جس کالج، دلی کالج، (ڈاکٹر حسین کالج)، کروڑی مل کالج، دیال سنگھ کالج، دلی یونیورسٹی، جامعہ ملیہ اسلامیہ، جواہر لعل نہر و یونیورسٹی، انجمن ترقی پسند مصلیفین، دلی رائٹرز ایسوی ایشن اور دوسرے حلقوں کے جواہرات، اگر سب کی فہرست بنے تو گزشتہ پچاس برس میں دلی میں اور اردو میں ایسے ستارے روشن ہوئے ہیں جو غالباً ہندوستان کی کسی دوسری زبان میں بالخصوص ہندی اور پنجابی میں سرکاری اور عوامی سرپرستی کے باوجود اس سے آدھے بھی قابل ذکر لکھنے والے نظر نہ آئیں گے۔

اس مردم خیز مٹی کی آج میں ہمیشہ الہ ولگل اور جواہرات اُبھر کر سامنے آئے ہیں۔ انہی نے لکھنے والوں میں آج میں ایک ”اردو کے مجنوں“ شاعر کا ذکر کر رہا ہوں۔ اس کی عمر اس وقت تقریباً چالیس برس ہے اور ہمیں برس سے لکھنے کا، شاعری کا اور تصنیف و تالیف کا کام کر رہا ہے۔

اس شاعر کا نام ہے عادل اسیر دہلوی، یہ شخص پندرہ برس میں پندرہ کتابیں شائع کر چکا ہے۔ اور زیادہ تر ”ادب اطفال“ بچوں کا ادب تخلیق کر رہا ہے۔ جس کے خیالات و مظاہر ادب، تہذیب، اخلاق، اصلاح تمدن، قوم پرستی، دین اور چھوٹی نظموں، رباعیوں اور کہانیوں پر مربوط ہیں۔

جناب شفیع الدین نیر مرحوم (استاد جامعہ ملیہ) کے بعد بچوں کے ادب کی بہت کمی محسوس کی جا رہی تھی۔ عادل نے بچوں کے ساتھ عدل و انصاف کیا۔ خاموشی سے بغیر نمود و نمائش کے، آہستہ آہستہ لکھنا اور چھاپنا شروع کیا۔ یہ خوش اخلاق، کم گو، مرنجہ مرنج اور مخلص انسان ایک شریف آدمی ہے اور ”ادب شریف“، ہمی کی تخلیق کر رہا ہے۔

چند مستند اردو اساتذہ نے بھی اس کا اعتراف کرتے ہوئے عادل کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ اس کے دعا گومند احنوں میں حکیم عبدالحمید، شمس الرحمن فاروقی، ڈاکٹر محمد حسن، ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر قمر ریمیں، فضا ابن فیضی، شیم خنی ڈاکٹر شاراہم فاروقی ایسے معتبر نقاد شامل ہیں۔

ان کی تصانیف و تالیفات میں ”جھوٹ ملت بولو، ہمارے سامنے داں، بچوں کی دلکھ بحال، بادشاہ خاں، نغمہ خیام، بچوں ہی بچوں، اور گلدستہ نعت“، ”غیرہ قابل ذکر ہیں۔

بچوں کے لیے رباعیاں لکھنا اور اسے دیونا گری (ہندی) اور اردو دونوں میں چھپوانا، معاشرے کے نوہنالوں اور مستقبل کے ذمہ دار شہریوں کی اخلاقی تعمیر اور نشوونما کا کام ہے جو صرف عادل اسیر دہلوی ہی نے کیا ہے۔

رباعی یوں بھی بڑی پختگی، مشاقی اور چاہک دستی چاہتی ہے۔ اس کی تخلیق میں مشق اور طویل عمر صرف ہوتی ہے۔ مگر عادل نے میں برس ہی میں رباعی کی صنف کو بھی بچوں تک پہنچا دیا۔ غزل، نظم، قصیدہ، نعت، قطعات لکھنا پھر بھی مقابلہ آسان ہے مگر رباعی تو ٹرف زگا ہی چاہتی ہے اور وہ بھی اتنی تخلیل گز کے کہ بچوں کو بھی ”ہضم“ ہو جائے، ایک پُر مسرت، قابل تعریف اور تعجب خیز کام ہے جو عادل نے بخوبی انجام دیا ہے اور کامیاب ہوئے ہیں۔

محمود سعیدی، عزیز انوری، عظیم اختر اور ڈاکٹر عنوان چشتی ایسے مشاہیر شاعر، ادیب صحافی اور معلم و مبصر اردو والے ان کو تحریری داد و تحسین سے نواز چکے ہیں۔

اردو والوں میں ایک کمزوری یہ ہے کہ وہ جتنا زیادہ پڑھ لکھ جاتے ہیں، اتنا ہی فارسی، عربی اور انگریزی کی (ترجمہ شدہ) اصطلاحات اور مشکل پسندی واپس اطبی کے شکار ہونے لگتے ہیں۔ میر، درد اور داعی کی زبان جو اس زمانہ کے لیے زیادہ عوام رس اور مقبول ہو سکتی ہے، اس سے دور ہو جاتے ہیں۔ آسان زبان لکھنا بہت مشکل کام ہے مگر تھوڑی بہت عربی فارسی جانے کے باوجود زیادہ تر عادل اسیر، آسان عام فہم اور بول چال کے قریب کی ہندوستانی اردو لکھتے ہیں۔ ۱۱ کہیں کہیں عربی اور فارسی کے موئی الفاظ بھی مجبوراً آہی جاتے ہیں۔ اردو کے ایم اے کے علاوہ عربی اور فارسی کی ڈگریاں اور ڈپلوے حاصل کر کے بھی، اسیر داعی اسکول کی ہی اردو لکھتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ پچھے اچھے انسان، نیک آدمی اور خوش عقیدہ مسلمان بن سکیں اور وطن پرست و قوم پروری کے جذبے سے بھی سرشار ہوں۔

ہمارا اصلاحی ادب، حالی، آزاد، اسلامی میراثی، مفتی کفایت اللہ، افسر میراثی، ہم لوگ چند محروم ایسے قد آور اساتذہ کا حصہ تھا۔ مگر مجھے خوشی اس بات کی ہے کہ اس نئے ادیب نے ۲۰ برس کی عمر تحریری میں وہ رباعیاں کہی ہیں جو نشست و برخاست کے طریقے، آداب مجلس، بزرگوں کا ادب، لحاظ، پاکیزہ غذا کا استعمال، اکل حلال، محنت، محبت، خدمت، عبادت، موسم کے بدلتے اثرات، سیقت کا لباس اور مہذب گفتگو سکھاتی ہیں۔ یہ ایسا نیک کام ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کی جزاء خیر دے سکتا ہے۔

بچوں کو اخلاقی قدروں سے روشناس کرنا، سونے جانے، چلنے پھرنے، لکھنے پڑھنے، کھیلنے کھانے کے آداب سکھانا اور اپنے بر تاؤ اور رویہ کی تہذیب و تحریک کرنا بہت بڑا کام ہے، جو موصوف نے رباعیوں کے ویلے سے اپنا فرض ادا کر کے، چھوٹے پیا نے پر بہت بڑا کام کر دکھایا ہے۔

میں عادل اسیر کی آزادی و کامیابی کے لیے اور معاشرے سے ان کے ساتھ عدل و انصاف کرنے کے لیے بارگاہ ایزدی میں دعا گو ہوں۔ خدا اسیر کو کامیاب کرے اور عادل کو قبول عام کی سند عطا ہو۔ اور وہ اسی طرح زیادہ سے زیادہ زبان و ادب کی خدمت کرتے رہیں۔ انہوں نے جس تیزی سے تصنیف و تالیف کا اشاعتی کام شروع کیا ہے وہ نیک فال ہے کہ ”نوشتہ بہ ماند سیاہ بر پسید“، ورنہ ہم ایسے پست ہمت اوگ ساری عمر ۲۵، ۲۰، ۸۰ برس لکھتے ہوئے بھی ادھرم کم توجہ دیتے ہیں۔ یہ بھی اردو والوں کے لیے ایک درس آموز اور کار عبرت و تقلید ہے۔

عادل ابھی چالیس برس کے ہوں گے۔ میرا خیال ہے کہ ۷۰، ۸۰ برس کی عمر میں یقیناً وہ اردو زبان کے نئے سعدی و حافظی بھی ہو سکتے ہیں۔ ”الہم زد فزد“ خدا ان کی عمر صحت اور توفیقات میں اضافہ کرے اور بچوں میں مقبول اور بڑوں میں معروف کرے۔ آمین۔ ”اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔“

جو بنیاد انہوں نے رکھی ہے اس پر زبردست ”ایوان ادب“ قائم ہو سکتا ہے۔ اختتام پر عزیز عادل اسیر ہی کا ایک شعر سنئے اسی پر گفتگو ختم کرتا ہوں۔

جب آج نہ بنیاد رکھو گے عادل
کل کس طرح ”ایوان“ کرو گے تغیر

(۱۵ اکتوبر ۱۹۹۹ء)

(مطبوعہ: ہفت روزہ ”وحدت نو“، دہلی، ۱۲، ۲۰۰۰ء، فروری ۲۰۰۰ء)

• عادل اسیر دہلوی کی رباعیاں

پروفیسر نادر مبلغی

جناب عادل اسیر دہلوی کا اسم گرامی جدید اردو ادب کی دنیا میں محتاج تعارف نہیں۔ وہ لگ بھگ گزشتہ چوتھائی صدی سے اپنے اشہب قلم کو میدان ادب میں بہ حسن و خوبی دوڑا رہے ہیں۔ شاعری اور نثر سے تعلق رکھنے والی ان کی تقریباً ڈیڑھ درجمن یا اس سے بھی کچھ زیادہ کتابیں منتظر عام پر آچکی ہیں اور وہ کئی اردو اکادمیوں سے انعام یافتہ ہو چکے ہیں۔ ادبیات اطفال پر بھی انہوں نے خصوصی وصیان دیا ہے۔ نثر میں اگر انہوں نے بچوں کے لیے ”بیربل کی کہانیاں، گلستان کی کہانیاں، کہاوتوں کی کہانیاں“ جیسے من بجاوں اور کار آمد تھنے پیش کیے ہیں تو دوسری طرف ان کے لیے ”گیت مala، بچوں کے دو ہے، بچوں کی رباعیاں، گلدستہ نعت“ اور ان کے علاوہ بھی چیزیں پیش کی ہیں۔ صرف یہی نہیں ہندی کہانیوں کے ترجمے بھی موصوف نے پیش کیے ہیں۔ مختصر ایہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ براۓ اطفال ان کی تحویل میں اب تک شعری اور نثری سرمایہ مجموعی طور پر کافی ہے۔

حال ہی میں ان کا جواہریک شعری مجموعہ بعنوان ”رباعیات عادل“، منتظر عام پر آیا ہے۔ اس کا مطالعہ یہ ثابت کرتا ہے کہ ان کی یہ رباعیاں ایسی ہیں جن کے مطالعے سے عام لوگ بھی مستفید ہوں گے۔ اس کتاب کی اشاعت اسی سال ہوئی ہے۔ اس میں مجموعی طور پر ستائی (۸۷) رباعیات ہیں جنہیں مدنظر کر کر ایک مختصر مگر پر مغز تعارف عظیم اختر صاحب نے پیش کیا ہے۔ اس شعری منظر نامہ میں رباعیات کی تعداد اگر چہ زیادہ نہیں اس کے باوجود اپنی مختصری کائنات میں یہ کتاب نظر انداز کرنے کے قابل نہیں۔ اس لیے کہ ان تخلیقات میں جو بصیرت انگیزی ہے حق پوچھیے تو وہ کوزے کے اندر سمندر سمیئے ہوئے ہے۔ اس کام کو انجام بخیر جس خوبی سے کوزے والے نے کیا ہے وہ اسے ایک اچھا شاعر اور پختہ فنا کار ثابت کرتا ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ رباعی کہنا کوئی آسان کام نہیں۔ فن شاعری کی تمام صنفوں میں اس صنف کے موضوع اور بیان دلوں اعتبار سے تقاضے نہایت ہی اہم ہوتے ہیں۔ دیکھنے میں چار مصروعوں والی چھوٹی سی لفظ

ہے لیکن اس صنف کے عروضی اوزان صرف اسی کے لیے مخصوص ہوتے ہیں جن کی مجموعی تعداد ماہرین علم العرض نے چوبیس (۲۳) رکھی ہے جن کا تعلق دو دائروں سے ہوتا ہے۔ ہر دائرے میں بارہ بارہ اوزان ہوتے ہیں۔ پہلا دائرة اخرب اور دوسرا دائرة اخرم کہلاتا ہے اور ان اوزان سے تعلق رکھنے والے سارے ارکان کا تعلق بحر ہزج کے سالم رکن مفاعیل سے ہوتا ہے۔ رباعی کے سارے عروضی اوزان حد درجہ نازک ہوتے ہیں۔ ایک بلکل سی لغزش بھی مصرع موزوں کرتے وقت شاعر سے ہوتا تو سارا بنا بنا کھیل بگڑ سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کل سے آج تک رباعی کہنے والے شعر کی تعداد ہمیں زیادہ نہیں ملتی۔

رباعی میں کسی موضوع کو پیش کرنے کا جہاں تک تعلق ہے یہ بھی ایک نہایت ہی کار ادق تحلیقی عمل ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ موضوع کو ایک خوبصورت نکتہ کا روپ دیا جائے جو الفاظ کے دروست سے واضح ہونے کی صلاحیت رکھے۔ چار مصرعوں کی ترتیب میں ارتکاز اور ایجاد کو بہ جسن و خوبی برداشت کر، فن کار اپنے سلیقے کا ثبوت دے سکتا ہے۔ لہذا کامیاب رباعی گواہیک شاعر پختہ کار اور ماہر فن ہی ہو سکتا ہے۔

اس مجموعے کے اندر زیادہ تر عروضی اوزان دائرة اخرب ہی سے تعلق رکھنے والے ہیں۔ رباعی کے لیے چار مصرعوں میں جتنے مخصوص اوزان موزوں کیے جاسکتے ہیں عادل صاحب انھیں اپنی گرفت میں رکھنے کی صلاحیت والے شاعر نظر آتے ہیں۔ بطور مثال ان کی ایک رباعی نیچے پیش کی جائے گی جس کے پہلے دوسرے اور چوتھے مصرع تو مفعول مفاعیل مفاعیل فع کے ہیں لیکن تیرا مصرع مفعول مفاعیل مفاعیل فعول کا وزن رکھتا ہے۔ ایسا کرنا عروضیوں کی نگاہ میں کوئی عیب نہیں ہے۔ اب موصوف کی رباعی ملاحظہ ہو:

ہر چند کہ دنیا میں سورا ہوگا خفاش کا ظلت میں بیرا ہوگا
 جس دل میں کیا ہو بے ضمیری نے قیام سورج بھی جلا دو تو اندھیرا ہوگا
 لہذا عادل اسیر صاحب کے اس مجموعے سے تعلق رکھنے والی ساری رباعیوں کا اگر آپ عروضی تجزیہ کریں گے تو یہی پائیں گے کہ موصوف ایک کہنہ مشق اور کامیاب رباعی نگار فن کار ہیں جنھیں صنفِ رباعی کے عروضی رموز و نکات کی اچھی جانکاری ہے۔ رباعی گوفن کار کے لیے موضوع کے انتخاب میں حد درجہ چا بکدستی اور ہوشیاری سے کام لینے کی فکر دامن گیر ہوتی ہے۔ پیشکش میں پھیلاو نہیں پیدا ہواں لیے مخذوفات شعری اور الفاظ کی کفایت شعاری سے وہ کام لیتا ہے۔ چار

مصنفوں میں پہلا مصرعہ تعارفِ موضوع کے انتخاب کا نکتہ رکھتا ہے۔ یوں سمجھیے کہ یہ نمود کا مرحلہ ہے۔ دوسرے مصرعہ میں خیال کی وضاحت ہوتی ہے۔ تیرا اسے سمینے والا ہے اور چوتھے میں مضمون کی پرا شرحیل ہوتی ہے۔

مثال کے طور پر اسیر صاحب کی ایک ربائی نیچے پیش کی جاتی ہے:

غربت میں فراغت کی ہے منزل پیسہ آسان کیا کرتا ہے مشکل پیسہ
اپنے بھی بدل جاتے ہیں غیروں کی طرح - جب جیب میں ہوتا نہیں عادل پیسہ
ربائی کا موضوع ”پیسہ“ ہے جس کا تعارف کرتے ہوئے پہلے مصرعہ میں شاعر نے
اسے فراغت کی منزل قرار دیا ہے۔ کیوں؟ اس کی وضاحت دوسرے مصرعہ میں یوں کی گئی ہے کہ
پیسہ مشکل آسان کر دیتا ہے۔ صرف اسی قدر اشارہ ہے کہ اپنے لوگ غیروں میں بدل جاتے ہیں۔
کب؟ اس وقت جب عادل کی جیب میں پیسہ نہیں رہتا ہے۔ اس طرح اس مجموعہ کی جتنی بھی
رباعیاں ہیں ان کا مطالعہ یہی ثابت کرتا ہے کہ مضمون کی پیشکش میں اول تا آخر کہیں بھی شاعر سے
لغزش نہیں ہوئی ہے۔

ان رباعیوں میں وہی موضوعات پیش کیے گئے ہیں جن کی انسانی زندگی میں حد درجہ
اہمیت ہوتی ہے۔ اعمال صالح اور اعمال بد انسان کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتے ہیں ان کی بہ حسن
و خوبی نشان دہی کی گئی ہے۔

جب ہم عادل صاحب کی رباعیوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو انہیں مختلف النوع مضامین کو
حسن و خوبی نباہنے والا شاعر پاتے ہیں۔ مثال کے طور پر موصوف کی چند رباعیاں نیچے پیش کی
جاتی ہیں:

دانا لی تو غصے کی ہے اک اوپنی کنیز	ہیں ہوش و خرد بھی یہاں بیکاری چیز
ہو جاتا ہے غصے میں جنوںی انسان	پھر نیک یا بد کی نہیں رہتی ہے تمیز
جب رات میں ہوتا ہے سحر کا دھوکا	خاشاک پ ہوتا ہے شر کا دھوکا
آنکھوں نے مری وہ حسن بھی دیکھا ہے	سب جس کو سمجھتے ہیں نظر کا دھوکا
ہر حال میں دے گا تصحیح تکلیف میاں	غم میں نہ کرے گا کبھی تخفیف میاں
تم اپنے لیے اسے برائی سمجھو	کم ظرف کی اچھی نہیں تعریف میاں
چند ہی مثالیں اوپر دی گئی ہیں۔ ساری رباعیوں کو پڑھنے کے بعد یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ	

درس اخلاق کی نویت والے اس مجموعہ میں ایسی تخلیقات ہیں جو قاری کے دل پر فوری اور اچھا اثر قائم کرتی ہیں۔ آخر میں حب الوطنی کے موضوع سے متعلق عادل صاحب کی ایک رباعی ملاحظہ ہو:

ہر خشت وطن کوہ و دمن سے اچھی پڑ مردہ کلی سرو و من سے اچھی
آنکھوں سے نہیں دیکھا یقین ہے لیکن جنت بھی نہیں ہوگی وطن سے اچھی
اس شعری مجموعہ کو پڑھنے کے بعد میں نے یہی نتیجہ حاصل کیا ہے کہ جناب عادل اسر
دہلوی میں رباعی کہنے کی بھر پور صلاحیت موجود ہے اور میں ان کی ذات با برکات سے یہی امید رکھتا ہوں کہ مستقبل قریب میں وہ اردو ادب کو اپنی رباعیوں کا ضخیم اور شگفتہ مجموعہ ضرور دیں گے۔
مجھے صرف توقع ہی نہیں بلکہ یقین ہے کہ موصوف کا یہ مختصر سا مجموعہ عوام و خواص دونوں ہی میں
مقبول ہوگا۔ اس پیشکش پر وہ میری دلی مبارکباد قبول فرمائیں۔ (۲ نومبر ۲۰۰۱ء)

بچوں کا ادب: گم شدہ جنت کی تلاش

* عادل اسیر کا قلم نامے میں ایک آواز

ریاض قدواری

نہ سمجھو اے تم میاں جبو جیٹ - یہ گاڑی تو چوبیں گھنئے ہے لیٹ

عادل تادریز سے آنے والی ٹرین ایک روز صحیح وقت پر آ جاتی ہے تو اسٹیشن پر لوگوں میں سنسنی پیدا ہو جاتی ہے اور یہ سنسنی ایک انکشاف سے دور ہوتی ہے کہ یہ صحیح وقت پر نہیں بلکہ چوبیں گھنئے دیرے سے آئی ہے۔ کل کی گاڑی آج اپنے مقررہ وقت پر آئی ہے۔ عادل اسیر نے موجودہ دور کی اس طفیلہ نما حقیقت کو نظم کے پیرائے میں ڈھال کر پرانے ظرافت زگاروں کی یادداہی ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ یہاں طنز و مزاح بچوں کے لیے سیدھی سادی زبان میں نمودار ہوتا ہے۔

عادل اسیر دبلوی عرصے سے اور متواتر انداز میں بچوں کے لیے نظمیں، گیت، رباعیاں، دوہے اور نثر لکھ رہے ہیں۔ یہ اپنی جگہ خود ایک کارنامہ تھا لیکن انہوں نے بعض جگہ بچوں کی نظمیوں میں ظرافت اور طنز و مزاح یا پھر شکوہ شکایت اور دور حاضر کی تبلیغ حقیقت بیانی کا اضافہ کر کے مزید پر لطف بنادیا ہے۔ ادب اطفال میں بچوں کی نفیاں کو پیش نظر رکھنا بہت ضروری ہوتا ہے تاکہ اس کو پڑھنا ان کے لیے اسکوں جیسا کام نہ بن جائے۔ کہانی سننے میں بچوں کو لطف آتا ہے لیکن پڑھنا ہو تو اس کو شروع کرنے کے لیے دماغ جمانا پڑتا ہے۔ جب کہ نظمیں، گیت وغیرہ فوراً توجہ اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔ دوسری طرف یہ کہ اگر نظمیں خشک ہوں تو یقیناً بو جھل بن جاتی ہیں کہانی سے بھی زیادہ۔

ہم کو گذشتہ عہد سے اردو میں بچوں کے ادب کی ثروت مندرجہ روایات ملی تھیں۔ مولوی اماعیل میر بخشی، ڈاکٹر اقبال، ڈپٹی نذری احمد، ڈاکٹر ڈاکٹر حسین اور متعدد دوسرے شاعروں اور ادیبوں نے تکہت و نور کا ایک خزانہ چھوڑا اور ما بعد عہد کی ایک دو دہائیوں میں دوچار نوجوان ادیبوں نے اس روایت کو آگے بڑھانے کے لیے گویا اپنے آپ کو وقف کر دیا لیکن رفتہ رفتہ اس لگن میں کمی ہوتی گئی اور اب حالت یہ ہے کہ گذشتہ میں تیس سال سے ادب اطفال کی تحقیقی ضرورت کو ادارہ

جاتی سطح پر تو تقریباً بالکل نظر انداز کر دیا گیا۔ انفرادی طور سے بھی اس طرف لوگوں کا رجحان کم سے کم ہوتا گیا۔ تقسیم ہند کے مابعد اثرات میں سے ایک یہ بھی تھا اب اس کو اردو کی حیثیت کے زوال اور نتیجے میں اس کی مقبولیت میں کمی کا شر کہیے یا ادب پیشہ لوگوں اور دوسرے لکھنے والوں کی نفیات میں تبدیلی، یہ ایک الگ بحث طلب موضوع ہے۔ بہر حال کہنے کا مطلب یہ ہے کہ بچوں کے ادب کے تقریباً فقدان اور اس کے زوال کے لیے صرف لکھنے والے ہی ذمہ دار نہیں ہیں۔ سوال یہ بھی ہے کہ وہ لکھنے بھی بچوں کے لیے تو اس کی کھپت کہاں ہو۔ یہاں پر ادارہ جاتی ہے حسی کا مسئلہ سامنے آ جاتا ہے۔

جن گھروں میں بچے اردو زبان جانتے ہیں اور اس کو لکھتے پڑھتے ہیں وہاں بھی اردو ادب اطفال کو، جتنا اور جیسا بھی یہ موجود ہے، گھنے کی اجازت نہیں ہے اور خود بچوں کی آسانی سے رسائی ہندی کا مکس تک ہو جاتی ہے تو پھر وہ بے چارے اردو ادب کی تلاش میں مارے کیوں پھریں اور چند اوپنجی دکانوں میں کیسے داخل ہوں۔ ہمارے گھروں میں ٹیلی ویژن آیا تو تھا بڑوں کی ضرورت بن کر کچھ تو حیثیت دکھانے (Status Symbol) اور تفریح کے لیے اور کچھ باخبر رہنے کے لیے، لیکن جلد ہی یہ ہر عمر کے بچوں کی سب سے مرغوب تفریح بن گیا، بااروک ٹوک، انہوں نے گھر کے آنکن اور محلے میں کھینا چھوڑ دیا تو پھر کتابیں اخبار اور رسالوں کی تو کوئی وقعت ہی نہیں۔ خصوصاً جب یہ تحریری مواد تصویر و تزئین کے ٹھنڈن سے برائے نام ہی آراستہ ہوا اور دور حاضر کی تکنیکی ترقی سے بہت کم مناسبت رکھتا ہو۔ اس طرح ٹیلی ویژن نے اس پوری نو خیز نسل کے دل و دماغ پر اس کے زیر تشكیل تہذیبی ڈھانچے پر جوش بخون مارا ہے اس کے نتائج تو آگے چل کر زیادہ ظاہر ہوں گے۔ (ابھی تو ہم اس کے ادنیٰ نمونے دیکھ رہے ہیں) اور بچوں کی اخلاقی تربیت و کردار سازی کے تقاضے کو فی الحال الگ رکھ دیجیے۔ خاص بات تو یہ ہے کہ بچوں کے اردو ادب کی تخلیق اور اشاعت و توسعے اہل قلم کا اپنا مفاد وابستہ ہے اور دوسرے تمام اہل علم و ادب (نیز علم و ادب کے ٹھیکے داروں) کا بھی۔ جن میں دینی علمی ادارے بھی شامل ہیں۔ جب غالب یا کسی اور شاعر کے ایک ایک شعر کی تشریح میں اوس طاہر اروں روپے خرچ کیے جاتے ہیں اور رطب المسانی کی جاتی ہے تو ایک لمحہ کریے بھی سوچا جائے کہ کل یہ سب پڑھنے اور سننے والا کوئی رہے گا بھی یا نہیں؟ جب بڑی ہونے والی اس نسل میں پڑھنے کا شوق یا اپنے تہذیبی امور سے دلچسپی کی رہتی ہی باقی نہیں ہوگی تو ہم اپنے علوم و فنون کے پشتارے کہاں لے جا کر پھینکیں گے۔

ہم اس پس منظر میں عادل اسیر کی زائد از دس سالہ مسائی کو دیکھتے ہیں جو انہوں نے بچوں کے ادب کی تخلیق و تالیف میں انجام دی ہے تو اس مسائی کی اصلی قدر و قیمت اپنے آپ کو واضح کرتی ہے۔ بقول ڈاکٹر شاراہمداد فاروقی ”بچوں کے ادبی ذوق کی تربیت نہیں کی جائے گی تو انگلی نسلوں میں بڑوں کا ادب پڑھنے والے ناپید ہوں گے۔“

عادل اسیر نے اپنی دس سال سے زیادہ ادبی زندگی میں بچوں کے لیے میں سے زیادہ چھوٹی بڑی کتابیں تیار کی ہیں۔ جن میں ان کی منظوم اور نثری تخلیقات کے ساتھ تراجم و تالیفات بھی شامل ہیں۔ ہماری معلومات کے مطابق ان میں سے کافی تعداد میں شائع ہو چکی ہیں جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

”بچوں کی ربعیاں، ہمارے سائنس داں، جھوٹ مت بولو، بچوں کے اقبال، گلستان کی کہانیاں، بچوں مala، گلدستہ نعت، بیربل کی کہانیاں، کہاولوں کی کہانیاں، امیر خرسو کی پہلیاں، بوجھو تو جانیں، گیت مala، بچوں ہی بچوں، آسان نظمیں اور بچوں کے دو ہے“۔ ان کے علاوہ بھی کئی کتابیں عادل اسیر کی زیر طبع ہیں۔ مثلاً ”چڑیا گھر کے اندر“ اور بچوں کی نظمیں، ”غیرہ۔

اس احقر کو عادل اسیر کی نسلوں کو گھرائی سے دیکھنے کا موقع ملا (جن میں پہلیاں اور ربعیاں بھی شامل ہیں) جب وہ کھانے کی مختلف اشیاء کا ذکر کرتے ہیں تو بچوں کا جو حال ہوتا ہو گا وہ تو ہوتا ہی ہو گا، یہ نظمیں بڑوں کو بھی کچھ دیر کے لیے اپنے مااضی کی گلیوں میں واپس لے جاتی ہیں۔ جن کے کام وہ ہن کا ذائقہ امتداد زمانہ نے چھین لیا ان کے لیے بھی وہ ذائقہ ایک بار پھر تازہ ہو جاتا ہے اور جب پہلیاں نظر سے گزرتی ہیں تو بچپن کی راتوں کی پرانی خوبیوں ایک بار پھر ہمارے آس پاس چھا جاتی ہے جب لیٹے لیٹے پہلیاں بھائی اور بوجھی جاتی تھیں۔ اس کیفیت کا کچھ کچھ اظہار شیم حنفی وغیرہ نے بھی ان کی شاعری پر رائے زنی کرتے ہوئے کیا ہے۔ چھوٹے اور درمیانہ عمر کے بچوں کے لیے تو مذکورہ بالا نظمیں خاص کشش رکھتی ہیں۔ جب کہ بڑے بچوں کے لیے وہ نظمیں ہیں جن میں آج کے کھرے اور بعض اوقات تین حصائیں کو بہت ہی سادہ اور دلنشیں انداز میں ابھارا گیا ہے:

اسلاف نے ہم کو نہ بتائی یہ حقیقت
دولت سے بھی ہو سکتی ہے مغلوب پڑھائی
طلبا ہی فقط مورد الزام نہیں ہیں
استاد بھی رکھتے نہیں مرغوب پڑھائی

”آخر وٹ کا پیڑ اور ایک نادان، ایک بچہ اور تتلی، رکشے والا، کوا اور اومڑی“، اور کئی دوسری ایسی نظمیں ہیں جن میں زندہ مسائل کا بیان نہایت دلکش ہے اور جو سبق آموز بھی ہیں۔ بعض نظمیں ایسی ہیں جو تعلیم و تربیت کے لیے ہیں یا وہ جو خدا اور رسول کی باتیں بتاتی ہیں۔ علاوہ ازیں ایسی نظمیں بھی ہیں جو حب الوطنی کا مخصوصاً درس دیتی ہیں۔ ”کتاب“، جیسی معلوماتی نظمیں بھی ہیں۔ معلومات کا عنصر ان کی پہلیوں میں بھی عیاں ہے۔ عادل اسیر نے بچوں کے لیے رباعیاں بھی کثرت سے کہی ہیں۔ بہر حال ان کو بڑوں کی رباعیوں کے فنی معیار سے نہیں دیکھا جاسکتا اور ایسا کرنا بھی نہیں چاہیے۔ اسی طرح بچوں سے متعلق شاعری میں، تلفظ وغیرہ کی وہ سخت پابندی نہیں مل سکتی جو اساتذہ کے یہاں پائی جاتی ہے۔

مختصر یہ کہ عادل اسیر کی نظمیں ان کی زرم مگر اہٹ کی طرح دلکش و دل پذیر ہیں۔ ان کی اور زیادہ وسیع اشاعت کی ضرورت ہے۔ خصوصاً ایسی کتابوں کو مدارس میں راجح کرنا اشد ضروری ہے۔ ہم کو اپنی درسی کتابوں کے مواد کے بارے میں اپنا سخت گیر رو یہ بدلتا ہو گا۔ اگر مدارس چاہتے ہیں کہ ان کے طلباء کے ذہنی افق وسیع ہو جائیں، ان کی زبان و انشا کی صلاحیت بھی صیقل ہو تو انھیں عادل اسیر جیسے ادیبوں کی تحریریں ضرور اپنے یہاں راجح کرنا چاہئیں جو خرافات سے قطعاً پاک ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ان کی کتابوں میں جوبات ہٹلتی ہے وہ ان کی قیمت ہے۔ بچوں کی کتابوں کا کم قیمت ہونا اتنا ہی ضروری ہے جس قدر کہ بچوں کے ادب کی افزائش لازمی و ضروری ہے۔

(مطبوعہ: ہفت روزہ ”جرس کارروائی“، نئی دہلی، ۱۰ ستمبر ۲۰۰۰ء)

عادل اسیر: شاعر طفلگاں

پروفیسر عزیز اندوری

اب سے تقریباً میں سال پہلے مرحوم سلیمان ہوٹل کی سال خورده میز کر سیوں کو زینت بخشنے والی بزرگ شخصیات کے درمیان کچھ نوجوان حضرات بھی رونق افروز رہتے تھے۔ ایک طرف مرحوم قیصر حیدری دراز بالوں، لمبے کرتے اور جیکٹ کے ساتھ برا جہاں رہتے تو دوسری جانب آنجمانی ہیرالال فلک دبلوی بھی اپنی بزرگانہ شخصیت کے ساتھ موجود رہتے۔ ان دونوں کے درمیان ہم جیسے۔ (محذوم زادہ مختار عثمانی، عزیز اندوری) میانہ عمری کے اوگ بھی بیٹھے ہوتے تھے۔ یہ محفل رات کو آٹھ اور نوبجے کے قریب اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ حج جایا کرتی تھی۔ اسی دوران کبھی کبھی مرحوم عقیل ناروی، تند رست و تو انا جسم والے واجد سحری، دراز قد ابرار کرت پوری بھی چلے آتے تھے۔ کبھی گلزار دبلوی بھی آجاتے اور محفل کو زعفران زار بنادیتے۔ ان سب کے درمیان کئی نوجوان بھی پابندی سے آیا کرتے تھے۔ شر میلے شر میلے سے یہ نوجوان کبھی کبھی زبان کھول کر اپنے ہونے کا ثبوت بھی پیش کرتے رہتے تھے۔ عادل اسیر ان سب میں جاذب نظر فتوش اور صاف سحرے کرتے پا جائے کی وجہ سے نمایاں نظر آتا تھا۔

عادل اسیر کی بیضوی رنگت سلیمان ہوٹل کے ڈھواں دھار ماحول میں بھی مانند نہیں پڑتی تھی۔ اس کے اطوار میں بے حد سنجیدگی پائی جاتی تھی۔ گفتگو میں متانت اور لمحے میں غہراً اوتھا۔ آج میں سال بعد جبکہ دبلي اپنی ساری سابقہ صورتوں کو بدل چکی ہے۔ یہاں کے جلووں میں تابانی کے بجائے گہما گہما شامل ہو گئی ہے، پرانے شناساچھرے بھیڑ بھاڑ میں گم ہو چکے ہیں۔ ایسے میں عادل اسیر سے اچانک ملاقات ہوتے سامنے والا ششد رتورہ ہی جائے گا۔ میں سال بعد، یہ مدت کچھ کم نہیں ہوتی۔ اس دوران اگر شناخت اپنا وقار کھودے تو تعجب نہیں کرنا چاہیے۔ یہی کچھ میرے ساتھ بھی ہوا۔

عادل اسیر کی ادبی فتوحات کو میں رسائل و کتب کے ذریعے دیکھ دیکھ کر اپنے عہد کے نوجوانوں کی ذہانت کا قائل رہا ہوں۔ کہتے ہیں جب بزرگوں کے جو تے بچوں کے پانوں میں آنے

لگیں تو ان کی بلوغت کا اعتراف کرنا چاہیے۔ جب نازک کو نپلیں سر بنز ہو کر ہری بھری پتیوں کی شکل اختیار کر لیں تو ان کے تازہ دم جھونکوں سے سرشاری حاصل کرنا چاہیے اور ان کی شادابی کو دل و نگاہ کی تکمیل کا باعث سمجھنا چاہیے۔

ہوٹل سلیمان کی نشتوں میں نوجوانی کی منزلوں کو عبور کرتا ہوا عادل اسیر جب بھی میرے سامنے آتا میں اس کے اندر جھائک کر ایک بچے کو دیکھتا جو موصومی شرارتیں کرتا نظر آتا تھا۔ عادل اسیر تو اب نوجوانی کی سرحد عبور کر کے جوان ہو گیا ہے لیکن اس کے اندر کا بچہ اب بھی اسے اپنی نفیات سے آگاہ کرتا رہتا ہے۔ وہ بچہ عادل اسیر کے دل و دماغ کو گدگدا تا ہے، اسے مجبور کرتا ہے کہ وہ اس کے بارے میں نہ صرف سوچے بلکہ اس کی تصویریں کو کاغذ پر بھی اٹا رے۔ وہ عادل اسیر کو بے چین رکھتا ہے اور ہر وقت اسے کسی نہ کسی کام کے لیے مجبور کرتا رہتا ہے اور ہمارا یہ عادل اسیر اس کے ہر روپ کو ہر نگ کو ابھارتا ہی چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس بچے سے اس کی دوستی اور شناسائی کا رشتہ اتنا مستحکم و استوار ہو چکا ہے کہ اسیر اب صرف ”بچوں کا شاعر“ بن کر رہ گیا ہے۔ عادل اسیر نے اس بچے کو وہاں سے آگے بڑھایا ہے جہاں شفیع الدین نیر، سلام مچھلی شهری، کیف احمد صدیقی، بزمی بھارتی اور فرحت قمر و غیرہ چھوڑ گئے تھے۔ اسیر نے اس بچے کو نئی نئی راہیں دکھائی ہیں۔ اس کی شخصیت کو اس کے عہد کا آئینہ دکھایا ہے اور خود بھی اس کے تمام ترنقوش کو آج کے ماحول میں دیکھنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ عادل کی نظموں میں اسیر یہ بچہ نہ صرف آج کے عہد کی نمائندگی کرتا ہے بلکہ آنے والے زمانے کا پتہ بھی دیتا ہے۔

عادل اسیر کو اپنے عہد سے شکایت بھی ہے۔ کس فن کا رکاوات عہد سے شکایت نہیں رہی۔ لیکن میں نے عادل اسیر کو سمجھایا ہے کہ تم اپنی خداداد صلاحیتوں کو شکوئے شکایت میں ضائع مت کرو۔ کاش وہ میری اس بات کو خلوص اور سنجیدگی سے لے۔ ورنہ مجھے ذر ہے کہ آج جو تم اس کے چہرے پر نظر آرہی ہے، جو وقار اور اعتماد اس کے فن کو حاصل ہو گیا ہے کہیں زمانے والے چھیڑ چھاڑ کر کے اس کی یہ متاع ہنر چھین نہ لیں۔

(مطبوعہ: ماہ نامہ ”خناؤ اجست“، دہلی، صفحہ ۱۵-۱۷، فروری ۱۹۹۹ء)

عادل اسیر دہلوی

اطفال کے احساسات کا ترجمان شاعر

ظہیر کیفی امر وہوی

عادل اسیر شخصی لحاظ سے بھاری بھر کم شاعر تو نہیں ہے لیکن اُس کی شاعری اُس کی شخصیت کی منفرد پہچان بن چکی ہے۔ عادل اسیر نے بچوں کے ذہن و جذبات کو اپنی شاعری کے بطن میں سمودینے میں دستگاہ حاصل کر کے ظیر، حالی، اسماعیل میرٹھی، اور اقبال کی اُس روایت سے ناطہ جوڑ لیا ہے جس میں بچوں کے ادب کے علم بردار حامد اللہ افسر اور شفیع الدین نیر کا بھی شمار ہوتا ہے۔ یوں بھی بچوں کی نفیات کا تجزیہ کرنا آسان نہیں ہے، لیکن عادل اسیر نے اپنی نظموں اور رہائیوں میں اطفال کے اذہان کو مریض بیانہ انداز میں پیش کر کے فاقد انفنٹنی سے بھی توثیق و تصدیق کے ساتھ ساتھ تعریف و توصیف حاصل کر لی ہے۔ نقاد ان فن اور مصرا نہ نقطہ نظر رکھنے والے اُس کے ہم عصر شعراء بھی عادل اسیر کی ادبی و علمی خدمات کے معتبر ہیں۔

اگر یہ کہا جائے تو بے جانہ ہو گا کہ عادل اسیر کی شاعری ۸۰ سال تک کے بچوں اور بزرگوں کی جذباتی کیفیات کی جیتی جاگتی فتنی مرض کاری سے مزین ہے جو بچوں کی چنی و جذباتی ہم آہنگی سے مملو بھی ہے اور ان کے مزاج اور نفیات کی تشریح اور تحلیل نفسی بھی کبھی جاسکتی ہے۔ عادل اسیر کی نظموں، پہلویوں، رہائیوں کی زبان نہایت سبل، شاغفتہ اور عام فہم ہے جو معمولی پڑھے لکھے اردو داں کو بھی متاثر کرتی ہے اور بالغ انظر و شعور رکھنے والے افراد کی توجہ بھی اپنی جانب مرکوز کر لیتے ہیں یکساں طور پر کامیاب ہوتی ہے۔ عادل اسیر نے بچوں کے لیے جو گیت اور پہلیاں مرقوم کی ہیں اُن میں بھی کسی قسم کی پچیدگی زبان و بیان کا داخل نہیں ہے۔ عادل اسیر کا اسلوب، الجہ متنگی نہیں بلکہ اشتہاتی ہے جو ہر عمر کے بچوں کے ذہنوں کو متاثر کرتا ہے۔ عادل اسیر کی شاعری کا یہ ایجاد و ایجاد ادب اطفال کی مختلف اصناف میں بخوبی منعکس ہے۔ وہ نہایت سبک اور دل نشیں انداز میں انجان اذہان کی تربیت کے لیے اپنا مطبع نظر ایک معلمانہ ذمہ داری کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ عادل اسیر کی نظموں، رہائیوں اور گیتوں میں اُن کا اسلوب شاعری نہایت

سادہ لیکن متنوع افکار و اقوال کا ذخیرہ اپنے دامن میں سمونے ہوئے ہے کہ ہر شعر رواں دواں اور آمد کے محاسن سے جگہ گاتا نظر آتا ہے۔ بچوں کے شعری ادب کو تخلیق کرتے ہوئے عادل اسیر کا نقطہ نظر ناصحانہ نہیں بلکہ مشفقاتہ و محبانہ ہے۔ وہ بوجھل اور خشک نیز دور از کار مفصایں کو اپنی شاعری کے کشت زار میں نہیں سموتے بلکہ نہایت فطری انداز و دل پذیرانہ بیان میں پیش کرتے ہیں۔ اس کا اعتراف اردو دنیا کے موقد و معتبر اور مستند ادباء و شعراء بھی کرتے ہیں اور ادب اطفال کے قافلہ سالاروں نے بھی عادل اسیر کی اس فنی دسترس کو سراہا ہے۔ عادل اسیر نے پوری لگن، محنت اور ایمانداری سے بچوں کے ادب کی تخلیق و تطبیق کے کام کو انجام دیا ہے اور یہی وصف نمایاں طور پر ان کی شاعری کی پذیرائی کا سبب بھی بناتے ہیں اور نقیبِ خن بھی تسلیم کیا گیا ہے۔

بالاشبه بچوں کی ذہنی تربیت کا کام شاعری کے ذریعے جس اثر انگلیزی کے ساتھ عادل اسیر نے کما حقہ مکمل کے مرحلے تک پہنچایا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے جس کے سبب ادب اطفال میں ان کا نام نمایاں نظر آئے گا۔ ایسا خیال آفرین شاعر اہل الرائے کی نظر میں افق ادب پر ہمیشہ تابندہ و درخشندہ ستارے کی طرح آنے والی نسلوں کی بھی رہنمائی کرتا رہے گا اور نونہالان علم کے ذہن و جذبات اور خیالات نیز کردار سازی کی تعمیر میں بھی معاون و ظہیر ثابت ہو گا۔

عادل اسیر کی ادبی خدمات تین دہائیوں پر محیط ہیں لیکن وہ اب تک اردو ادب کے ناقدین کے استغنا کے سبب اُس منصب اور صدر کے استحقاق سے محروم ہیں جو ایک بے لوث فن کار کی انتہک محنت کا شرہ یعنی اُس کی ادبی کاؤشوں اور کوششوں کے تیس اعتراف و انعام کا مقاضی بھی ہے اور استناد و استنباط کے لیے محاکمه بھی ہے۔ عادل اسیر کی شاعری نو خیز اطفال و نونہالان وطن کی امنگوں کا سرچشمہ بھی ہے اور آئینہ بھی، اور جس سے اردو ادب کے طالب علم ہمیشہ استفادہ کرتے رہیں گے۔ ایسے مخلص و منفرد و موقر اور معتبر ادب شناس فنکار اور شاعر فقید المثال کے تیس میرا یہی واثق عقیدہ اور ایقان ہے کہ وہ یقیناً بچوں کے ادب کے خالق کی حیثیت سے بقاء دوام حاصل کرے گا۔

(مطبوعہ: ماہ نامہ "حناؤ اجسٹ" دہلی، صفحہ ۱۲-۱۳، نومبر ۱۹۹۹ء)

اردو کا سپاہی: عادل اسیر دہلوی

ایں اے رحمٰن

یہ بات شاید کچھ لوگوں کو پسند نہ آئے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ہماری زبان اردو کو آج وہ اہمیت حاصل نہیں ہے جس کی وہ مستحق ہے۔ بلاشبہ اردو ایک بڑی زبان ہے۔ جس کے چاہئے والے اور بولنے والے دنیا کے گوش گوشہ میں موجود ہیں اور ہندوستان میں یہ زبان کشمیر سے کینا کماڑی تک اور گجرات سے آسام تک سمجھ لی جاتی ہے لیکن اس کا تعلق روزی روٹی سے بہت حد تک ٹوٹ چکا ہے۔ اس لیے اس کا پھیلاو محدود ہوتا جا رہا ہے۔ جس زبان کو پڑھ کر، سیکھ کر، نوکری مل سکتی ہے، بہتر را بٹھے بن سکتے ہیں، آگے بڑھنے کے موقع حاصل ہو سکتے ہیں، اس زبان کے پنپنے کے ہی امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔ جب کہ اردو کے ساتھ آج ایسا نہیں ہے۔ یہ ضرور ہے کہ سرکاری رواداری کے اظہار کے لیے بطور سند اردو اعلیٰ تعلیم کے وسیلوں میں شامل ہے۔ جس کے لیے کچھ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اردو کے شعبے قائم ہیں اور وہاں اردو کے اساتذہ (لکچررز، ریڈرز، پروفیسرز) کا تقریبی ہوتا ہے۔ لیکن صرف اتنا کسی زبان کی زندگی اور استحکام کی دلیل تو نہیں بن سکتا۔ جب ابتدائی سطح پر اردو کی تدریس کم سے کم ہوتی جائے گی تو اعلیٰ سطح تک کتنے طلباء پہنچ سکیں گے۔ بہر حال یہ ایک گیجھر مسئلہ ہے جس کا حل ہمارے نامور دوست شاید نکالنا نہیں چاہتے۔ انہوں نے اردو کو اپنی ذات ہائے والا صفات تک محدود کر لیا ہے۔ اسی لیے دام، درمے، سخنے اردو کے نام پر وہ اپنی مدد کر لیا کرتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں کہ ان کا اعتبار قائم ہے۔ یعنی وہ معتبر اردو والے ہیں۔ لیکن خوشی کی بات یہ ہے کہ ایسے اردو کش ماحدوں میں بھی ایسے سرپھرے موجود ہیں جو اس میٹھی زبان کی بقاء و ترویج کے لیے قلم آزمائی بھی کرتے ہیں اور منافقوں سے مبارزت کے لیے تیشہ بھی اٹھاتے ہیں۔ ایسے لوگوں میں، میں سمجھتا ہوں عادل اسیر دہلوی کا نام جانا پہچانا ہے۔ عادل اسیر اردو زبان کے رسیا ہیں۔ اردو ان کا اوڑھنا بچھوٹا ہے۔ وہ نشر نگار بھی ہیں اور شاعر بھی۔ وہ بڑوں کے لیے بھی طبع آزمائی کرتے ہیں اور بچوں کے لیے بھی لکھتے ہیں۔ بچوں کے لیے ان کی کئی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ نشری بھی اور منظوم بھی۔ اور پتہ نہیں یہ ان کی خوش قسمتی تھی یا تیشہ اوری کہ اردو اکادمی

بدھلی نے انھیں بچوں کا ادیب تسلیم کر لیا ہے۔ (بھلے ہی عادل اسیر کی تحریر یہ اکادمی کے رسائل ”امنگ“ میں زیادہ جگہ نہ پاتی ہوں) دلی اردو اکادمی نے عادل اسیر کی ایک تخلیق ”بچوں کی رباعیاں“ کو ۱۹۹۵ء میں بچوں کے ادب کے لیے انعام سے نوازا تھا تو ۱۹۹۶ء میں بچوں کے ادب کے لیے مجموعی خدمات کے اعتراف میں گیارہ ہزار روپے کا اعزاز ازدواکرام عادل اسیر کے نام کر دیا۔ عادل اسیر ابھی نوجوانوں میں ہی ہیں اور ان کا ادبی سفر ابھی جاری ہے۔ مجموعی خدمات تو رکنے اور ٹھہر جانے کا نام ہے۔ لیکن یہ شاید ان کی تیشہ آوری کا خوف تھا جس نے اردو کے بزرعم خود سربراہوں کو ان کی مجموعی خدمات کا اعتراف کرنے پر مجبور کر دیا۔ بہر حال یہ ان کا حق تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ کچھ لوگوں تک ان کا حق دیر میں پہنچتا ہے۔ لیکن عادل اسیر تک یہ بروقت پہنچ گیا۔ مبارک صد مبارک کہ حق بے حق دار رسید! اس لیے اور بھی کہ یہ اردو کے سربراہ اور وہ منافقوں کی تمناؤں اور خواہشوں کے خلاف ان تک پہنچا ہے۔ شاید تیشہ آوری اس کا سبب ہو!! خدا جانے!

بچوں کے لیے عادل اسیر کی اب تک کئی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ نظر میں ”ہمارے بھائیں داں، گلستان کی کہانیاں، بیربل کی کہانیاں“، جیسی مطبوعات ہیں تو منظوم کواہشوں میں ”بچوں کی رباعیاں، پھول مالا“، جیسی تخلیقات شامل ہیں۔ ان تخلیقات میں ان کی ”بچوں کی رباعیاں“ بہت پسند کی گئی ہے۔ شاید اسی لیے وہ اس کا دوسرا حصہ بھی شائع کر رکھ رہے ہیں۔ عادل اسیر کے لیے نئی شاعری وقت کی ضرورت ہے اور اسی لیے وہ اپنی شاعری میں کھلے دل سے نئے ثابت تجربات کرتے رہتے ہیں۔ بچوں کی رباعیاں حصہ دوم (پھول، ہی پھول) کو ہی لیجیے۔ اس میں خدا کی بندگی کے اظہار میں حمد بھی ہے تو رسول مقبول کی اطاعت اور نیازمندی کے لیے نعمت بھی۔ فطرت کی پذیرائی بھی انھوں نے کھل کر کی ہے تو اپنے وطن اپنی دھرتی کو سراہا ہے:

سائے میں ہمالیہ کے پیاری دھرتی گہوارہ امن ہے یہ ساری دھرتی

پیغام سدا حق کا دیا ہے اس نے کس درجہ مقدس ہے ہماری دھرتی

عادل اسیر کی رباعیات میں سائنسی ایجادات کا بھی تذکرہ ہے اور علم و تعلیم کی اہمیت بھی۔ نیکی اور سچائی کا سبق بھی ہے تو خدمت دین اور خدمت قوم کی تلقین بھی۔ انھیں اپنی دھرتی سے پیار ہے تو ملک کا قومی پرچم بھی ان کی آنکھوں کا تارا ہے:

ہے قوس قزح سا یہ ترنگا جھنڈا لگتا ہے پیارا یہ ترنگا جھنڈا

قومی پرچم ہے یہ ہمارا عادل آنکھوں کا ہے تارا یہ ترنگا جھنڈا

اپنے ملک کے بہادر بچوں کے بھی وہ گیت گاتے ہیں:-

انعام ہیں قدرت کا بہادر نپے پیکر ہیں شجاعت کا بہادر نپے
ماں باپ کو ہے ناز تو ہے قوم کو فخر سرمایہ ہیں ملت کا بہادر نپے
بھیثیتِ مجموعی عادل اسیر کی رباعیاں بچوں کے لیے دلچسپ بھی ہیں اور سبق آموز
بھی۔ لیکن ان رباعیوں میں پوشیدہ عادل اسیر کے پُر خلوص جذبات کی ہم بڑوں کو بھی پذیرائی
کرنی چاہیے۔ ایک مخلص اور باہمتو اردو کا سپاہی ہے عادل اسیر جوار دو دوستوں کے لیے نرم ہے تو
منافقوں کے لیے گرم! ہم اردو والوں کو ایسے سپاہی کی قدر کرنی چاہیے۔

عادل اسیر کوتاہ دست نہیں ہیں۔ انہوں نے اپنے روایوں سے ثابت کر دیا ہے کہ وہ
اردو کے میخانے میں بڑھ کر اردو کا جام اٹھا سکتے ہیں۔ مر جبا عادل اسیر اردو کے منافقوں سے اپنا
جہاد جاری رکھو اور اردو کا پرچم بلند رکھو!

(مطبوعہ: ماہ نامہ "نوری دوپشہ"، دہلی، صفحہ ۳۲-۳۳، نومبر ۱۹۹۸ء)

”بچوں کی رہائیاں“، ایک مختصر جائزہ

ڈاکٹر محمد محفوظ الحسن

بچوں کے لیے ادب تخلیق کرنا تلوار کی تیز دھار پر چلنے کے مترادف ہے۔ اس لیے کہ اس میں پیش کی جانے والی فکر اور اس فن کا تعلق ان لوگوں سے نہیں ہوتا جو بالغ ذہن و نظر کے حامل اور پختہ فہم و شعور کے مالک ہوتے ہیں۔ بلکہ اس کا تعلق نیم پختہ فہم، نابالغ شعور اور ان معصوم ذہنوں سے ہوتا ہے جو عقل و شعور اور فہم و ادراک کی دلیل پر قدم رکھنے والے ہوتے ہیں۔ یہاں فنکار کے ذمہ اس نسل کی ذہنی تربیت اور پرورش کا کام ہوتا ہے جس سے ملک و قوم کی امیدیں وابستہ ہوتی ہیں۔ جو مستقبل کے عالم، سائنس داں، مفکر، لیڈر، رہبر قوم ہونے والے ہوتے ہیں۔ یہ ایک عظیم فرض ہے۔ اس فرض و ذمہ داری سے وہی فنکار بخوبی عہدہ برآ ہو سکتا ہے جس کی فکر ثابت ہو، جو عظیم فکری وراثت کا ایمن ہو، جو صالح معاشرے کا نیک اور صالح فرد ہو۔

بچوں کے لیے ادب کی تخلیق کی راہ میں بڑی دشواریاں اور مشکلات حائل ہوتی ہیں۔

اس میں ہر قدم پر ٹھوکر کھانے اور منہ کے بل گرنے کا خدشہ اور خطرہ رہتا ہے۔ ادب اطفال کی تخلیق میں فکری خلوص فنی چاہکدستی کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ فنکار کو اس بات کا خیال و لحاظ رکھنا ہوتا ہے کہ الفاظ جن کا انتخاب کیا جا رہا ہے وہ زم، ملامم، سبک، روائ، صاف، سادہ، سلیس اور عام فہم ہوں۔ ان کا تعلق روزمرہ کی ان چیزوں سے ہو جن سے آئے دن بچوں کا سابقہ پڑتا ہے، خواہ اس کا تعلق گھر میلو چیزوں سے ہو یا مکتب و بازار کی چیزوں سے۔ روزمرہ استعمال کے بچلوں سے ہو یا سبزیوں سے، روزانہ کی عبادت سے ہو یا پوچا پائٹھ سے، یا پھر ان چیزوں سے ہو جو اس کے ارد گرد، ماحول، فضای میں پائے یاد کیجھے جاتے ہوں۔ یہاں بھاری بھر کم ثقل، مغرب مفرس الفاظ، زبان، تراکیب دور از کار نسبتیں اور بعد از فہم استعارات کے استعمال کی گنجائش نہیں کہ بچوں کا سادہ اور معصوم ذہن ان کے بوجھ کو برداشت کرنے کے قابل نہیں ہوتا۔

بچوں کے ذہنی ساخت کی مثال موم کی گڑیا سے دی جا سکتی ہے جسے اپنی مرضی کے مطابق جس طرح اور جیسے چاہا موز ا جا سکتا ہے۔ عام طور پر والدین میں یہ دل خواہش ہوتی ہے کہ

ان کے بچے بڑے ہو کر گمراہ نہ ہوں، ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اُس کے بچے اوصاف حمیدہ، اخلاق عالیہ کے حامل ہوں وہ ملک و قوم، معاشرہ اور سماج کو کچھ دے سکیں، بلکی ترقی میں حصہ دار نہیں، بچے محبت وطن، با اخلاق اور پر خلوص شہری اور مہذب انسان نہیں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے بچپن سے ہی ان کی ڈھنی تربیت الازمی ہے۔

عادل اسیر دہلوی اس لحاظ سے مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ملک و قوم کے مستقبل کے نوہالوں کی تربیت کی ذمہ داری اپنے سرلی ہے اور گذشتہ کئی برسوں سے اپنی شاعری کے ذریعہ بچوں کی ڈھنی، تعلیمی، اخلاقی، معاشرتی اور تہذیبی تربیت کا فریضہ بحسن و خوبی انجام دے رہے ہیں اور متعصب تک رسائی کے لیے انہوں نے نظموں اور گیتوں کا سہارا تو لیا ہی ہے ربائی کا بطور خاص انتخاب کیا ہے۔ ربائی جوار دو اصناف سخن میں مشکل ترین صنف کبی جاتی ہے جس پر دسترس اور مکمل عبور کے لیے پختہ مشق ہوتا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ چونکہ ربائی میں بلند خیالات، اعلیٰ اخلاق اور فضیحت و حکمت کو ہی جگہ دی جاتی ہے اس لیے ان مضمایں کا سلیقے سے بیان تب ہی ممکن ہے جب فن پر مکمل دسترس ہو جو پختہ مشق اور ریاضت سے ہی ممکن ہے۔ مگر بقول مخمور سعیدی عادل اسیر دہلوی نے اس کلیے کو غلط کر دکھایا ہے۔ پختہ عمر اور پختہ مشق نہ ہونے کے باوجود ربائی میں وہ گل بوئے کھلائے ہیں کہ ان ربائیوں کو پڑھ کر بچے اچھے انسان اور مہذب شہری بن سکتے ہیں۔

عادل اسیر دہلوی نے ”بچوں کی ربائیاں، پھول ہی پھول، رنگ برلنگے پھول“ کے بناءم سے ۱۲۱ ربائیوں کے تین مجموعوں کے ذریعے بچوں کو اعلیٰ اخلاقی قدروں سے روشناس کرانے، انھیں لکھنے پڑھنے، چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے، کھیلنے کونے، کھانے پینے کے طور طریقے بتائے، ماں باپ، استاد، بزرگوں، دوستوں سے ملنے جانے اور آنکھوں کے آداب سکھانے، تعلیم کی اہمیت و افادیت بتانے، حفظان صحت کے اصول اور روزش کی اہمیت اجاگر کرنے، صفائی سترہائی کا خیال رکھنے، کھیل کی افادیت منوانے، گھر میلو پا توجانوروں سے جان پہچان کرانے، روزمرہ کے سچلوں اور دوسری استعمال میں آنے والی چیزوں سے واقف کرانے کا فریضہ انجام دے کر ایک بہت بڑی سماجی و معاشرتی خدمت انجام دی ہے اور بڑی خوش اسلوبی سے انجام دی ہے۔

سبائی کے ان تینوں مجموعوں کے پیش افظع مخمور سعیدی، عبداللہ ولی بخش قادری اور ڈاکٹر گلزار دہلوی کے تحریر کردہ ہیں۔ تینوں حضرات نے عادل اسیر دہلوی کی خدمات کو نہ صرف سراپا ہے بلکہ اسے ادب اطفال میں ایک بیش بہا اضافہ قرار دیا ہے۔ ان حضرات نے عادل اسیر دہلوی کے

مضامین، اسلوب بیان، انتخاب الفاظ اور پیشکش کی فنکارانہ ہرمندی کو بھی خراج تحسین پیش کیا ہے۔ مخمور سعیدی لکھتے ہیں:

”ان رباعیوں میں انہوں نے آسان زبان اور سادہ اسلوب میں ان اخلاقی نکات کو بچوں کے ذہن نشین کرانے کی کوشش کی ہے جن پر عمل کر کے اچھا انسان اور اچھا مسلمان بنانا جاسکتا ہے۔ دراصل ان نکات کا سرچشمہ اسلامی فلسفہ اخلاق ہی ہے لیکن اس سے پوری بُنی نوع انسان استفادہ کر سکتی ہے کہ اسلام کا پیغام آفاقی بھی ہے اور ابدی بھی۔“ اور ڈاکٹر گلزار دہلوی کی رائے میں:

”بچے اچھے انسان، نیک آدمی، خوش عقیدہ مسلمان بن سکیں اور وطن پرستی اور قوم پروری کے جذبے سے سرشار ہوں۔“

عبداللہ ولی بخش قادری کا خیال ہے کہ:

”اچھائیوں کو برتنے اور برا بائیوں سے بچنے کی ترغیب دی ہے۔“

بھیتیجت مجموعی مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی ہمچکا ہٹ نہیں کہ عادل اسیر دہلوی نے اپنی تخلیقات کے ذریعے ادب اطفال کو ایک سمت دی ہے۔ اس لحاظ سے بھی ان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

(مطبوعہ: ماہ نامہ ”قرطاس“، ناگپور، صفحہ ۱۲۳ تا ۱۲۴، نومبر - دسمبر ۲۰۰۵ء)

بچوں کا شاعر: عادل اسیر

نور جہاں ثروت

اردو کے اس زوال پذیر معاشرے میں جہاں اردو والوں کے بچے بھی اردو کے حروف شناس نہیں ہوتے، بچوں کے لیے شاعری کرنا ہتھیلی پر چراغ جانا ہے۔ ”عادل“ جو اسیر بھی ہیں اور دہلوی بھی اگر چاہتے تو اپنی خدا داد صلاحیتوں سے آج کے مشاعرے لوٹ کر اسیر کے بجائے امیر ہو جاتے مگر ان کی سر شست میں ذگر سے ہٹ کر چلنے کی خوبی۔ اسی لیے انہوں نے اپنے لیے وہ راستہ چنانہ ہے جس میں اسماعیل میر بھی، حفیظ جالندھری، افسر میر بھی، شفیع الدین نیر اور آخر آخراً طبر پرویز کے انہوں جانے کے بعد میدان خالی ہو چکا تھا۔ اور جو شاعر طبع آزمائی کے لیے کبھی کبھی یا اپنے بچوں کو خوش کرنے کے لیے ایک آدھ نظم لکھ لیتے ہیں، انھیں بچوں کا شاعر تو نہیں کہا جا سکتا۔

عادل اسیر دہلوی نے اب تک بہت سی کتابیں بچوں کے لیے لکھی ہیں۔ جن میں ”بچوں کی رباعیاں“، جیسی کتاب بھی شامل ہے۔ ناقدین فن کے نزد یک بھلے ہی یہ کلیہ ہو کہ رباعی کے لیے ”پختہ مشق اور پختہ عمر“ ہونا ضروری ہے۔ ہمیں تو اتنا پتہ ہے کہ جن پختہ مشق اور پختہ عمر کے شعر انے رباعیاں لکھی ہیں وہ پختہ عمر والوں کے لیے ہی ہیں۔ لیکن عادل اسیر نے ”بچوں کے لیے“، رباعیاں لکھی ہیں۔ (چند رباعیوں سے قطع نظر) یہ ایک طرح کی ادبی جرأت ہے کہ رباعی جیسی صنف میں بچوں سے خطاب کیا جائے، ان کی سوچ کا ساتھ دیا جائے اور ان کی نظر سے ماحول کو دیکھا جائے۔ بچوں جیسی باتیں کرنے والے تو مل جاتے ہیں لیکن بچوں کے لیے سنجیدگی سے سوچنے والے اور ان کی وہنی سطح کے لحاظ سے لکھنے والے کم ہی ملیں گے۔ مثلاً ابطور نمونہ دو رباعیاں ملاحظہ ہوں:

امی نے کہا مجھ سے کہ جلدی انہو بولے یہ بڑے بھائی کہ وردی پہنبو استاد کو ناراض بھی دیکھو گے میاں جب صبح کے انٹھنے میں کر دے گے سستی بچوں کی یہ رباعیاں ایک طرح سے وہنی اور عملی تربیت کا وسیلہ بھی ہیں۔ ایسی شاعری	باجی نے کہا منہ تو دھلا دوں آؤ ابو نے کہا مجھ سے کہ چائے پی لو اسکوں بھی تاخیر سے پہنچو گے میاں
---	---

سے خالص شاعری کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ اس وقت بھی جب حالی اور اقبال جیسے شاعروں کو پڑھ رہے ہوں، اس لیے اس صورت میں بات زیادہ ذا ریکٹ ہو جاتی ہے۔

”گلستان کی کہانیاں“ میں گلستان سعدی سے ماخوذ سائٹ کہانیاں ہیں۔ ترجمہ میں اس بات کا انتظام رکھا گیا ہے کہ زبان آسان ہوا اور الیکٹریکی کہانیاں ہوں جن میں بچوں کی دلچسپی کا سامان موجود ہو۔

عادل اسیر کی رباعیوں کی طرف اور اشارہ کیا جا چکا ہے۔ انہوں نے بچوں کے لیے نعمتیں بھی لکھی ہیں۔ ”گلدستہ نعت“ میں موجود کچھ نعمتیں حاضر طور پر بچوں کے لیے ہی لکھی گئی ہیں اور یہ اس لیے بھی زیادہ اہم ہیں کہ عام طور پر نعمتیہ شاعری میں بچوں کے لیے شعر گوئی کے نمونے بہت ہی کم دستیاب ہیں۔ رسول مقبول کی زندگی کو بچوں کے لیے مشعل راہ بنانا۔ روشن چراغوں کی طرح سیرت رسولؐ کی روشنی کو ان کے درمیان تقسیم کرنا بڑی بات ہے اور اس لائق ہے کہ اس کا احترام کیا جائے اور اس قابل بھی کہ طرزِ ادا کی خوبیوں کو سمجھا جائے۔

یہاں ”گلدستہ نعت“ کے بعض عنوانات اور ان کے تحت آنے والے اشعار کی طرف اشارہ کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ”خوبیوں طیبہ، چاند شق ہو گیا، محمدؐ کے صدقے، روشنی کی بات، خدا کے سامنے، آنکھ کے تارے“، وغیرہ وہ عنوانات ہیں جو خصوصیت سے اس کتاب کے مطالعہ کے دوران اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

چند اشعار مذکورہ بالا عنوانات کے تحت آنے والی نعمتوں سے ملاحظہ ہوں:

کس کے خیال سے ہے معطر مشام جاں خوبیوں طیبہ لا یا ہے جھونکا نیم کا
سر عرش پہنچے ہیں مہمان بن کے عروج محمدؐ پہ ہے عقل حیراں
کملی والے کا مجھ کو سہارا ملا کشتی زندگی کو کنارا ملا
محمدؐ کی امت میں پیدا کیا ہے مسلمان بنایا یہ ایماں کی دولت ہے دل میں ہمارے محمدؐ کے صدقے
درج بالا آخری شعر پڑھتے وقت اس طرف ذہن منتقل نہیں ہوتا کہ یہ ایک طرح کا
عروضی تجربہ بھی ہے۔ زبان کا مسئلہ بہر حال اپنی مشکلات کے ساتھ عادل اسیر کے سامنے بھی رہتا
ہے لیکن ساتھ ہی ایسے صاف سادہ اور سلیمانی اشعار بھی ان کے یہاں نعمتیں کا حصہ ہیں:
دین سکھایا کس نے ہم کو نیک بنایا کس نے ہم کو
پیارے نبی نے پیارے نبی نے

معلوم ہوتا ہے نپکے اپنے مخصوص جوش و خروش کے ساتھ بارگاہ نبوت میں اظہار عقیدت کر رہے ہیں۔ ”ہمارے محمد“ میں بھی یہی زبان ملتی ہے۔ یہ عادل اسیر کا ادبی خلوص، حسن نیت اور عمل کی سچائی ہے کہ آج کے ماحول میں وہ دوسروں سے اتنا الگ ہو کر سوچتے ہیں۔ ادب و شعر سے ان کا لگاؤ فطرتی ہے اور اس کا دھارا عوامی ادب اور اس میں بھی خاص طور سے بچوں کے ادب کی طرف مڑ گیا ہے۔ یہ بڑی بات ہے۔

انہوں نے امیر خرسو کی پہلیاں بھی جمع کی ہیں۔ یہ ان کی عوامی ادب اور اس کی عمومی اپیل کا ایک اظہار ہے۔ حضرت امیر خرسو کی پہلیاں میں جوز بان ملتی ہے اس پر سات سو بر س بیت رہے ہیں۔ اس زبان کا مطالعہ وہی شخص کر سکتا ہے جو بہت اچھی ہندی جانتا ہو۔ ان پہلیاں کو بوجھنے کا کام تو الگ رہا ان کو جب ہم سنتے یا پڑھتے ہیں تو ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ اردو زبان کن کن ارتقائی مرحلوں سے گزرنی ہے اور اس کے لب و لبجھ میں یہ مٹھاس اور گھلاوث وقت کے کن دھاروں نے اپنے عمل سے پیدا کی ہے۔ عادل اسیر نے خود بھی پہلیاں لکھی ہیں لیکن زیادہ تر طویل پہلیاں نظم کی ہیں۔ اس لیے ان کے یہاں پہلیاں سے دلچسپی نئی صورت میں پیدا ہوتی ہے۔ اگر امیر خرسو سے لے کر عادل اسیر تک کی پہلیاں پر غور کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ ہماری زبان و بیان کے مختلف تجربے کس طرح شکر کی ڈلیاں بن کر ہمارے منہ میں گھلتے رہے ہیں۔ ”نغمہ خیام“ میں خیام کی منتخب فارسی رباعیوں کا سہل ترجمہ اردو اور ہندی میں کیا گیا ہے اور فارسی متن بھی شامل اشاعت ہے۔ ”بچوں مالا“ میں بچوں کی جو کثرت ہے وہی انداز عادل اسیر کی تخلیقات کا بھی ہے۔ زیادہ تر کتابیں مصور ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھیں اس امر سے بھی دلچسپی ہے کہ بچوں کو تصویریوں کی مدد سے زیادہ بہتر طریقہ سے سمجھایا جا سکتا ہے۔ عادل اسیر نے اس معنی میں تصویریوں کی زبان سے بھی کام لیا ہے۔

(مطبوعہ: ہفت روزہ ”تعیر ہند“، نئی دہلی، ۲۹ اکتوبر ۱۹۹۹ء)

بچوں کے شاعر: عادل اسیر دہلوی

ڈاکٹر تو قیر احمد خاں

عادل اسیر دہلوی ایک ایسے شاعر ہیں جن کے خون میں بچوں کا ادب رچ بس گیا ہے۔ وہ ایک طویل عرصے سے بچوں کے لیے نظمیں، رباعیاں، دوہے اور پہلیاں وغیرہ لکھ رہے ہیں۔ بچوں کے لیے شعر گولی میں انھیں یک گونہ مہارت حاصل ہو گئی ہے۔ مختلف عنوانات کے تحت ان کی دو درجن کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ جن میں بعض اہم کتابوں کے نام یہ ہیں: بچوں کی رباعیاں (۱۹۹۵ء)، بچوں مala (۷۱۹۹۷ء)، گلدستہ نعت (۷۱۹۹۷ء)، بچوں ہی بچوں (۱۹۹۸ء)، بوجھو تو جانیں (۱۹۹۹ء)، آسان نظمیں (۱۹۹۹ء)، گیت مala (۱۹۹۹ء)، بچوں کے دو نہیں (۲۰۰۰ء)، بچوں کی نظمیں (۲۰۰۱ء)، چڑیا گھر کے اندر (۲۰۰۱ء)، اور رنگ بر نگے بچوں (۲۰۰۲ء)۔

بعض کتابوں کے دوسرے ایڈیشن کی اشاعت عادل اسیر دہلوی کی بچوں کی دنیا میں مقبولیت کو ظاہر کرتی ہے۔ وہ سچی لگن اور پر خلوص دھن کے ساتھ بچوں کی شاعری کر رہے ہیں۔ اس عشق نے انھیں بچوں کی شاعری کے ایک ممتاز مقام پر پہنچا دیا ہے اور دہلی کی تمام اردو شاعری میں وہ تنہا بچوں کے شاعر نظر آنے لگے ہیں۔ گویا کہ دلتی اسکول کی شاعری میں جو خلا باقی تھا اسے پُر کرنے کا سہرا عادل اسیر دہلوی کے سر ہے۔ صلاحیتوں سے پُر اس نوجوان شاعر سے ابھی بہت سی امیدیں وابستہ ہیں۔ انھوں نے بچوں کے لیے شعر کہنا اپنی زندگی کا مقصد بنالیا ہے۔ ان کی بچوں کے لیے لاکھی گئی شعری تصانیف پر نظر ڈالیں تو وہ کئی لحاظ سے قبل قدر اور باوقار نظر آئیں گے۔

اول یہ کہ ان کی زبان نہایت شستہ اور دلکش ہے، تحریر کے جملے عیوب سے پاک ہے۔ اس بناء پر ان کی شاعری عروض و قواعد کی مکروہ اسقام سے مبزا ہے۔ زبان و قواعد کی رو سے ان کی زبان معیاری ہے۔ کیونکہ عروض و باغت پر نظر رکھتے ہیں اس لیے ان کی شاعری ایک مہذب شاعری کا نمونہ بن گئی ہے۔ عروض و باغت اور زبان و بیان میں یہ نکھار اور یہ دلکشی پیدا کرنے میں ان کی فارسی دانی کو بھی دخل حاصل ہے۔ سچ بات تو یہ ہے کہ آج بھی فارسی زبان جانے بغیر

اُردو دانی کا دعویٰ باطل ہے۔ چنانچہ فارسی دانی نے ان کی شاعری کو جو وزن اور وقار عطا کیا ہے وہ اب نایاب نہیں تو کم یا ب ضرور ہو چلا ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہرگز نہیں کہ انہوں نے اپنی شاعری کو فارسی الفاظ سے بوجھل بنایا ہے بلکہ مدعا یہ ہے کہ فارسی دانی نے انہیں نہ صرف الفاظ کے اقتضائے حال کے موافق استعمال سے آگاہ کیا ہے بلکہ افعال و خمائر اور اسماء کے صحیح تلفظ اور مصروعوں کی صحیح ساخت سے بھی باخبر کیا ہے۔ ہم پسندی اور جلدی بازی کے اس زمانے میں کامیکی انداز کی شاعری کرنا اور وہ بھی بچوں کے لیے آسان کام نہیں۔ اس طرح انہوں نے زبان کو ادب کو خراب ہونے سے بچانے کی ایک مستحسن کوشش کی ہے۔ جو یقیناً لا اُق تحسین و آفریں ہے۔

دوم یہ کہ عادل اسیر دہلوی نے بچوں کی نفیات کو پہچان لیا ہے۔ ان کی کتابوں کے مطابعہ سے علم ہوتا ہے کہ انہوں نے جن عنوانات پر نظمیں لکھی ہیں وہ بچوں کی طبیعت کے عین مطابق ہیں۔ گویا عادل اسیر دہلوی اس کو جانتے ہیں کہ بچوں سے با تمیں کس طرح کی جاتی ہیں اور کون کون سی با تمیں بچوں کے لیے کشش اور تجسس کا باعث ہوں گی۔ اگر بچوں سے ان کی پسند کی با تمیں نہیں کی جائیں گی تو وہ اس میں ہرگز دلچسپی نہیں لیں گے۔ انہوں نے اپنی شاعری میں بچوں کے محبوب موضوعات ”دادی جان“، ”مونگ پھلی“، ”گندیریاں“، ”سنترے“، ”مشی جی“، ”رکش والا“، ”ٹھیلے والا“، ”پہلیاں“ اور ”چڑیا گھر“ جیسے دلنش موضعات کے علاوہ عبد حاضر کی اختراعات کو بھی موضوع تھن بنایا ہے۔ یعنی ”ریڈیو“، ”اسکوڑر“، ”ٹافی“ اور ”چیونگم“، وغیرہ سے اس بات پر مہر تصدیق ثابت ہوتی ہے کہ عادل اسیر دہلوی کی شاعری *Uptodate* ہے اور زمانہ کو ساتھ لے کر چل رہی ہے۔

ان کی شاعری میں بچوں کو حب الوطنی، تعلیم، حصول علم، سائنس سیکھنے کا سبق اور ترقی کے زینے پر گامزن ہونے کی تلقین بھی ہے۔ اس کے علاوہ اخلاق و ایمان۔ سچائی اور راستی پر چل کر ایک ”اچھا انسان“ بننے کی ترغیب بھی دی گئی ہے۔ دُعا، قرآن، ہمارے نبی، رمضان، نماز وغیرہ کے موضوعات پر نظمیں لکھ کر بچوں میں اخلاقی قدریں، رحم دلی، مساوات، عدل و انصاف، غریبوں اور درود مددوں سے محبت کے جذبہ کو ابھارنے کی سعی کی گئی ہے۔ آئندہ نسلوں میں یہ صفات ہوں گی تو یقیناً ہمارا معاشرہ ایک بہتر معاشرہ ثابت ہوگا۔ ظلم و زیادتی۔ جھوٹ اور فریب سے عاری ذہن ہی اچھے معاشرہ کی تشکیل کر سکتے ہیں۔ عادل اسیر دہلوی کی شاعری و اہمیات اور مغرب اخلاق باتوں سے پاک ہے۔ خدا کا خوف بھی بچوں کو غلط قدم اٹھانے سے باز رکھتا ہے۔

سزا کا خوف اور نیکی کی جزا چھے کاموں کے کرنے کی رغبت دلاتے ہیں۔ عادل اسیر دہلوی نے اپنی ہر کتاب میں اس بات کو ملحوظ رکھا ہے کہ اس میں حمد و نعمت لکھ کر خدا اور اس کے رسول کے تذکرے کو یاد دلا لایا جائے۔

اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ عادل اسیر دہلوی کا ذہن پر انی قدر وہ کامل اور نئی روشنی کا مدارج ہے۔ وہ نئی اور پرانی دونوں قدر وہ کے کار آمد اور مفید پہلوؤں کو ترجیح دیتے ہیں۔ عادل اسیر دہلوی بچوں کو جس طرح کی تربیت دینا چاہتے ہیں وہ آج کے نازک حالات میں خوبصورت دنیا کو اور بھی خوبصورت بنانے میں مدد و معاون ثابت ہو سکتی ہے۔

(مطبوعہ: ماہ نامہ ”بچوں کی زرالی دنیا“، نئی دہلی، صفحہ ۳۶ تا ۳۷، اگست ۲۰۰۲ء)

ادب اطفال کے تخلیق کار: عادل اسیر

ذکر طارق

فلکر و فنِ عطیہ ربانی ہے اور کہیں مبدائے فیاض کی طرف سے تحریر و تقریر کا ملکہ بھی حاصل ہو جائے تو پھر سونے پر سہاگہ دالی بات ہو جاتی ہے۔ عادل اسیر ایک ایسی ہی علمی و ادبی شخصیت کا نام ہے جنہیں قدرت نے وسیع و ہمہ گیر صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ ان کی شعری و نثری کاوشیں ہمارے لیے قابل قدر ہیں۔ یہ اس لیے بھی قابل قدر ہیں کہ اپنے تخلیقی سفر میں اگرچہ کتنے ہی انقلاب اور کتنی ہی گروشوں سے ان کا واسطہ پڑا مگر ان سب کے باوجود وہ اپنی جگہ اٹل رہے اور نظم و نثر کے میدان میں بچوں کے لیے کام کرتے رہے۔ جس کے نتیجے میں موصوف کی بہت سی تصانیف منظر عام پر آ کر اہل علم و ادب سے داد و تحسین وصول کرتی رہی ہیں۔ جن پر اہل قلم اور پختہ کار ادیب نہایت پ्र اثر تبصرے کر چکے ہیں۔

عادل اسیر کی شاعری بچوں کا ہی نہیں بڑوں کا بھی دل موہ لیتی ہے۔ ایک اچھے شاعر کی پہچان اس کے پاکیزہ خیالات اور اس کا پرتا شیر طریقہ بیان ہوتا ہے۔ عادل اسیر اس معیار پر پورے اترتے ہیں۔ ان کا انداز و مزانج تعمیری اور سلیحہ ہوا ہے، جن سے ان کے فن میں تازگی پیدا ہو گئی ہے۔ بچوں کے ادب میں ان کے نوبہ نو تجربات نے فلکر کی بہت سی راہیں روشن کر دی ہیں۔ اس بات کو بھی لوگ جانتے ہیں کہ کسی بھی قوم کی ترقی کا انحصار اس کے بچوں کی تعلیم و تربیت پر ہوتا ہے۔ اگر ان کے سامنے آغاز ہی سے پاکیزہ ادب آتا رہے تو ان کا اخلاق و کردار تمذیب و شائستگی کے سانچے میں ڈھلتا چلا جاتا ہے اسی احساس کی روشنی میں جب ۱۸۵۷ء کے بعد مسلم قوم کی حالت ناگفتہ بد ہو گئی تھی تو ایسے نازک وقت میں مولانا محمد حسین آزاد، الطاف حسین حائل اور اسماعیل میرٹھی نے مستقبل کی تعمیر و ترقی کے لیے بچوں کے ادب کی اہمیت کو تسلیم کر کے آسان نظمیں لکھنے کا سلسلہ شروع کیا تھا۔

عصر حاضر میں حقد میں کے اس چراغ کی لوکو تیز کرنے میں جن اہم شعراء کرام نے حصہ لیا ہے ان میں ایک نام عادل اسیر کا بھی ہے جنہوں نے سنجیدگی کے ساتھ بچوں کے ادب کی

طرف توجہ کی ہے۔ عادل اسیر صاحب کی انفرادیت یہ ہے کہ وہ زمانے کے مقبول دھارے میں بہہ نکلنے کے بجائے اپنی منتخب شدہ راہ پر گامزن ہیں اور اپنے پیش روؤں سے سبقت لے جانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ انہوں نے اس فن کو بطور تفنن طبع اختیار نہیں کیا ہے بلکہ ان کی شاعری میں مقصدیت پائی جاتی ہے۔ ان کی نظر ان اخلاقی قدروں پر مرکوز ہے جو انسان کو انسان بناتی ہیں۔

ان کے سیدھے سادے اشعار تاثیر کا جادو جگاتے نظر آتے ہیں۔

عادل اسیر نے بچوں کے لیے آسان زبان میں رباعیات بھی لکھی ہیں حالانکہ رباعی کافن، شاعری کا مشکل ترین فن ہے بلکہ جوش نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ چالیس سال کی عمر سے پہلے اس صنف میں قدرت حاصل کرنا دشوار ہے۔ اس لیے عادل اسیر صاحب داد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے بچوں کے لیے رباعیات مرتب کر کے ادب اطفال میں اضافہ کیا۔ ان کی رباعیات سماجی، اخلاقی اور اصلاحی قدروں سے مزین ہیں۔ آسان زبان میں اصلاحی اور تعمیری مضامیں کوسموناہر طرح قابل تائش ہے۔ ان کی یہ کوشش نئی نسل کے لیے قدمیں راہ کا کام کرے گی۔ موصوف فرماتے ہیں:

ہر شخص کو تم اپنے سے کوئی بوی بولو	کڑوی نہ کسی سے کوئی بوی بھجو
دشمن کو بھی گردوست بنانا چاہو	نفرت نہ کبھی دل میں کسی سے رکھو
یقیناً عادل اسیر کی یہ رفتار جلد ہی انھیں ممتاز ادیبوں کی صفحہ میں لاکھڑا کرے گی۔	

(مطبوعہ: ماہ نامہ "گل چشم" دہلی، صفحہ ۲۷، جون ۲۰۰۰ء)

عادل اسیر کے دو ہے اردو ادب میں اضافہ

بھگوان داس اعجاز

بات کہیں بھی جب دوہوں پر ہوتی ہے تو اکثر لوگ بابائے اردو امیر خرو کے ایک دو ہے کا حوالہ دیتے ہیں:

گوری سووے تج پر مکھ پر ڈارے کیس
چل خرو گھر آپنے، رین بھی چھوں دیں

اس میں شک کی گنجائش نہیں کہ مندرجہ بالا دوہا لا جواب ہے، سینکڑوں دوہوں پر بھاری ہے۔ لیکن یہاں سوال یہ بھی اٹھتا ہے کہ کیا خرو نے اپنے عہد میں اس خوبصورت اور نازک ترین صنف پر طبع آزمائی کرتے وقت فقط چار دو ہے تخلیق کیے؟ بات کچھ سمجھ میں نہیں آتی۔ خرو صوفی سنت تھے اور دوہا سنتوں فقیروں کی زبان رہا ہے۔ محققین و ناقدین یہ بتانے میں قاصر رہے ہیں کہ اگر خرو نے دو ہے کہے ہیں تو وہ کہاں ہیں؟ اس کا جواب اگر مگر لگا کرنہ دیا جائے تو سچائی سامنے آسکتی ہے۔

دوہوں کے علاوہ خرو کے شعری سرمائے میں مختلف اصناف پر کیے گئے تجربات، کہیں پہلیوں کی شکل میں دکھائی دیتے ہیں تو کہیں کہہ مکر نیوں کی صورت میں نظر آتے ہیں۔ مذکورہ اصناف میں بچوں کے لیے انہوں نے آسان زبان میں شعر کہہ کر عوام دخواص کے دل میں وہ جذبہ پیدا کیا کہ لوگ اپنے مااضی سے اور خاص کر بچپن سے والہانہ محبت کرنے لگے۔ بچوں کی زبان پر ان کی پہلیاں انھکیلیاں کرتی دکھائی دیتے لیکن جیسے:

ہری تھی من بھری تھی، نولا کھ موئی جڑی تھی
رلچہ جی کے باغ میں دوشالہ اوڑھے کھڑی تھی

شعراء وادباء میں بھی خرو نے چھاپ چھوڑی کہ رومانی شعر کہنے والا بھی بچوں کی بولیاں بولنے لگا اور اپنے اندر چھپے بچپن سے رشتہ استوار کرنے کے لیے تڑپ اٹھا۔

بچوں کا ادب تخلیق کرنے کی رفتار جو ہیسمی پڑ چکی تھی وہ پھر زور پکڑنے لگی۔ محلوں کی

قدرو قیمت کو لوگ پہچانے لگے۔ صدیاں گزر گئیں، لیکن ان کے لگائے پودوں کی خوشبوابھی برقرار تھی کہ نظیر اکبر آبادی کا زمانہ نقارہ بجاتے ہوئے آپہنچا۔ نظیر نے پارینہ روایت کو مشعل راہ مانا اور اسے آگے بڑھانے کا عزم دل میں ٹھانے محبت اور لگن کے ساتھ عوام کے مسائل سے جڑ گئے۔ انہوں نے فقط بچوں کے لیے ہی نہیں عوام و خواص کے لیے بھی آسان زبان میں ادب کی آبیاری کی۔ جہاں انہوں نے بڑھاپے کی آمد و علامت کا ذکر کیا، وہاں بچپن کا پلو بھی ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ کبھی وہ پنگ بازی کے بہانے بچپن کو یاد کر لیتے ہیں اور کبھی بیٹھے طفلی کی تعریف میں نظم کہہ ڈلاتے ہیں۔

جو ان کو دوسوکھالیں، پھیکا ہو یا سلونا
ہیں بادشاہ سے بہتر جب مل گیا کھلونا
جس جاپ نیند آئی، پھر واں ہی ان کو سونا پرواہ کچھ پنگ کی، نے چاہیے بچھونا
بھونپو کوئی بجائے، پھر کی کوئی نچالے
کیا عیش لوئٹے ہیں، معصوم بھولے بھالے
زمانہ چاہے میر کا ہو غالب کایا اقبال کا، عہد طفلی کی بیتمار میٹھی اور حسین یادوں سے سبھی
شرابو رہوئے۔ قومی ترانہ گاتے ہوئے بچے کتنے اچھے لگتے ہیں:
سارے جہاں سے اچھا ہندوستان ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلتاں ہمارا
اقبال نے بچوں کے لیے بہت ساری نظمیں کہیں مثلاً: ”ایک مکڑا اور مکھی، ایک پیاڑ
اور گلہری، ایک گائے اور بکری، بچے کی دعا، ہمدردی ماں کا خواب، پرندے کی فریاد وغیرہ۔
مذکورہ بالا نظمیں تخلیق کرتے وقت اقبال یہ نہیں بھولتے کہ یہ نظمیں خاص کر بچوں کے لیے
ہی ہیں۔ اسی لیے انہوں نے سلیں اور آسان زبان کا استعمال کر کے اسے مزید لطافت و نفاست سے
مالا مال کیا۔

موجودہ دور پر مغربی سایہ کچھ اس قدر حادی ہے کہ آج کا بچہ ماں کے لطفن ہی سے جوانی
کے نغمے گنگنا نے لگتا ہے اور پیدا ہوتے ہی وہ آگ کا دریا اور ہلیتا ہے۔ اسے اپنے بچپن سے کوئی
لگاؤ یا موه نہیں۔ جس کے لیے میڈیا پوری طرح سے ذمہ دار ہے۔ ایسے میں ضرورت ہے ”عادل
اسیر“، جیسے ایک نوجوان کی جو بچہ گاڑی کو شاہرا ہوں سے محفوظ نکال کر پڑی پر لے آئے۔ عادل
اسیر کسی تعارف کا ہتھ نہیں۔ وہ گذشتہ میں باعث برس سے اردو ادب اطفال سے جڑا ہے۔ اس

کے بارے میں عظیم اختر صاحب فرماتے ہیں کہ: ”عادل اسیر نے بچوں کی شاعری میں کچھ امیاب تجربے بھی کیے ہیں۔ رہائی اردو شاعری کی ایک مشکل صنف ہے اور ہر شاعر رہائی کہہ کر پنے آپ کو آزمائشوں میں نہیں ڈالتا۔ لیکن عادل اسیر نے بچوں کے لیے سبق آموز رہائیاں نظم رکے ایک کامیاب تجربہ کیا ہے۔ نعت گولی مشکل ترین صنف ہے۔ اس صنف میں عام طور پر اردوں کے تخلیل کے پر جلنے لگتے ہیں۔ عادل اسیر نے بچوں کے لیے اس صنف میں بھی طبع آمائی ہے اور سہل زبان میں عقیدت سے بھر پور خوبصورت نعتیں لکھی ہیں۔ یقیناً بچوں کے ادب میں ایک اضافہ ہے۔ عادل اسیر اس مختصری ادبی زندگی میں بچوں کے لیے تقریباً دو درجن سے زیادہ اسماں میں تصنیف کر چکا ہے۔ جن میں بہت سی کتابوں کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ یہ یقیناً ن کی عوامی مقبولیت کی دلیل ہیں وگرنہ عام طور پر اردو کی کتاب کا پہلا ایڈیشن بھی آسانی سے وخت نہیں ہو پاتا۔“ کچھ اسی طرح کا ہی اظہار خیال عزیز انوری نے بھی کیا ہے۔ کہ عادل ایراب جوان ہو گیا ہے۔ لیکن اس کے اندر کا بچہ اب بھی اسے اپنی نفیات سے آگاہ کرتا رہتا ہے۔ وہ بچہ اسیر کے دل و دماغ کو گدگدالاتا ہے۔ اسے مجبور کرتا ہے کہ وہ اس کے بارے میں نہ ارف سوچے بلکہ اس کی تصویریوں کو کاغذ پر بھی اٹارتے۔ وہ عادل اسیر کو بے چین رکھتا ہے اور ہر نت اسے کسی نہ کسی کام کے لیے مجبور کرتا رہتا ہے اور ہمارا یہ عادل اسیر اس کے ہر روپ کو ہر رنگ و ابھارتا ہی چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس بچے سے اس کی دوستی اور شناسائی کا رشتہ اتنا مستحکم اور تو اڑ ہو چکا ہے کہ اسیر اب صرف بچوں کا شاعر بن کر رہ گیا ہے۔ عادل اسیر نے اس بچے کو وہاں سے آگے گئے بڑھایا ہے جہاں شفیع الدین نیر، سلام مجھلی شہری، کیف احمد صدیقی، بزمی بھارتی اور حست قمر وغیرہ چھوڑ گئے تھے۔

میں باہمیں سال کا طویل سفر طے کرنے کے بعد عادل اسیر اب دو ہوں کی طرف فب ہوا ہے۔ میری دانست میں وہ پہلا شاعر ہے جس نے خصوصاً بچوں کے لیے دو ہے تخلیق ہے جیس یہ اردو ادب میں ایک اضافہ ہے۔ مجھے امید ہے کہ ادبی حلقوں میں ان کی کتاب ”بچوں دو ہے“ کی خاطر خواہ پڑ ریائی ہو گی۔

(دہلی: ۶ رجنوری ۱۹۹۹ء)

عادل اسیر دہلوی سے ایک ملاقات

مرتضی ساحل تسلیمی

میں کے آخری ہفتے میں ایک نوجوان دفتر میں تشریف لائے۔ دراز قد، چھر ریا بدن، رنگ نہ بہت گورا اور نہ ہی بہت سانولا۔ کرتا پا جامہ پہنے ہوئے۔ سلام علیک کی۔ میں نے مصافحہ کرتے ہوئے کرسی کی جانب اشارہ کیا۔ وہ میرے سامنے بیٹھ گئے۔ میں سراپا ان کی جانب متوجہ ہوا۔ انہوں نے انتہائی خبرے ہوئے اور شاستہ الجہ میں فرمایا ”میں عادل اسیر ہوں۔ دہلی سے آیا ہوا ہوں۔ میں نے ایک کتاب ”بچوں کی رباعیاں“ کی دو جلدیں دہلی میں نیم صاحب کو برائے تبصرہ دی تھیں مگر نہ تو مجھے کوئی جواب ملا اور نہ ہی کتاب پر تبصرہ ہو سکا۔“

اس وضاحت کے بعد میں نے ذہن پر زور ڈالا مگر کتاب کے بارے میں کچھ یاد نہیں آیا۔ میں وہ ساری فائلیں اور الماریاں سرسری نظر وہ سے دیکھنے لگا جہاں برائے تبصرہ کتب ملنے کی توقع ہو سکتی تھی۔ میری لاعلمی پر انہوں نے وضاحت فرمائی ”آپ کو نہیں کتاب میں عبدالخالق نیم صاحب کو دی تھیں۔“

میں نے معذرت خواہاںہ انداز میں دوبارہ کتاب بھیجنے کی درخواست کی لیکن ابھی بچوں کے ادب پر گفتگو کرتے ہوئے چند منٹ ہی گزرے تھے کہ کتاب میں مل گئیں۔ بہت پیاری رباعیاں تھیں۔ میں نے چند رباعیاں پڑھیں اور تبصرہ کرنے کا وعدہ کرتے ہوئے کتاب رکھ لی۔ دراصل میں عادل صاحب سے طویل گفتگو کرنا چاہتا تھا۔ آپ کے لیے، نور کے قارئین کے لیے، کیونکہ میرے سامنے سالنامے کے لیے انڑو یو کا مسئلہ تھا۔ اگر چہ میری میز پر ایک تحریکی بزرگ سے لیے گئے انڑو یو کے اشارات موجود تھے لیکن ان سے معذرت کے ساتھ عادل اسیر صاحب کو اس مقصد کے لیے منتخب کیا۔

میں نے جب اظہار مقصد کیا تو وہ مسکرائے۔ کچھ ایکساری سے بھی کام لیا اور پھر میرے اصرار پر آماد ہو گئے۔

میرے پہلے وضاحتی سوال کے جواب میں انہوں نے کہا:

”میرا اصلی نام محمد عادل رشید ہے اور قلمی نام عادل اسیر دہلوی ہے۔ ۲۱ ستمبر ۱۹۵۹ء پیدائش کی تاریخ ہے۔“

کامل پڑھئے:

”۳۲۱۲، پچاٹک تیلیان، ترکمان گیٹ، دہلی ۱۱۰۰۶“ میں نے دوسرا سوال تعلیم کے تعلق سے کیا جس کے جواب میں عادل صاحب نے بتایا:

”اسکول کی تعلیم شاید نویں دسویں جماعت تک حاصل کی۔ بعض مجبوریاں ایسی تھیں جن کی وجہ سے مسلسل تعلیم جاری نہیں رہ سکی۔ فکر معاش کے ساتھ ساتھ اردو زبان و ادب کا مطالعہ جاری رہا۔ مختلف اور مختلف لینگو-جگز کے امتحانات میں شریک ہوتا رہا اور اس طرح آخر کار پر ایسیوٹ طور پر آگرہ یونیورسٹی سے ایم۔ اے اردو کا امتحان ۱۹۸۷ء میں سینئنڈ ڈویژن سے پاس کیا۔ ۱۹۸۸ء میں پنجاب یونیورسٹی سے عربک آنرز کیا (مولوی فاضل)۔ فارسی، ایران کلچرل سینٹر نی دہلی میں سکھی اور ہمیشہ امتیازی نمبروں سے کامیاب ہوا۔ عربک آنرز میں فرست ڈویژن سے پاس ہوا تھا۔ از خود ہندی، پنجابی اور انگریزی میں محنت کی اور تحوزی بہت استعداد ان زبانوں کے لکھنے پڑھنے میں بھم پہنچائی۔“

میں نے پوچھا: ”دوران تعلیم آپ کے اسکول اور گھر کے مشاغل کیا رہے؟“

عادل اسیر صاحب نے کہا: ”تعلیم کے دوران کیونکہ فکر معاش بھی ساتھ تھی اس لیے مجھے جب بھی ان دونوں سے فرصت ملتی میں فٹ بال کھیلتا یا دوستوں کے ساتھ دور دور کی سیر کرنے نکل جاتا۔ اسکول چھوڑنے کے بعد جو تعلیم میں نے حاصل کی وہ میری مستغل مزاجی کا شمرہ ہے۔ ورنہ گھر میں یا آس پاس ایسے محركات موجود نہیں تھے۔“ میں نے اگلا سوال پوچھا: ”کیا آپ تعلیمی دور کے ایسے ولپڑ اور اصلاحی واقعات بتا سکتے ہیں جنہوں نے آپ کو متاثر کیا ہوا یا پھر آپ کے تعلق سے دوسرے متاثر ہوئے ہوں۔“

وہ کچھ دیر سوچتے رہے پھر کہنے لگے: ”تعلیمی دور کے ایسے واقعات جنہوں نے مجھے متاثر کیا ہوئی الحال تو ذہن میں نہیں ہیں۔ ہو سکتا ہے کچھ ایسے واقعات میرے آس پاس گزرے ہوں جو کسی وقت یاد آ جائیں تو ضرور تحریر کروں گا۔“

”اگر انہیں یو کی کتابت سے قبل مل جائیں گے تو شامل ہو جائیں گے۔“ میں نے کہا اور اہل خاندان کے تعلق سے جانتا چاہا: ”آپ کے کردار پر کس کا اثر ہے؟“

”اہل خاندان میں صرف میری والدہ مر جومہ کی ذات ہی ایسی ہے جن کے کردار کا اثر مجھ پر پڑتا ہے اور صرف ان کو ہی میرے ادبی ذوق اور تعلیم کے شوق سے لگاؤ تھا۔“ عادل اسیر

صاحب نے مختصر سا جواب دیا۔

اب میں نے ادبی زندگی کے بارے میں جاننا چاہا تو وہ کچھ دیر تصور ہر میں کھڑے رہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ماضی کے اور اق الٹ رہے ہوں۔ پھر وہ گویا ہوئے: ”باقاعدہ ادبی زندگی کا آغاز ۱۹۷۲ء میں ہوا۔ اسی سال میری پہلی کہانی روزنامہ ”ملپ“، دہلی میں شائع ہوئی۔ پہلی غزل یا نظم شاید ۱۹۷۷ء میں روزنامہ ”پرتاپ“، دہلی میں چھپی تھی۔ میرا پہلا قابل ذکر اور موزوں شعر درج ذیل ہے:

یاد ہے تجھ سے پچھرنے کا سام
شاخ سے پھول جدا ہو جیسے
عادل صاحب کے خاموش ہوتے ہی میں نے ادبی ذوق کے محركات جانتا چاہے:
”میرے ادبی ذوق کے محركات شاید رومانی ہی تھے کیونکہ اس وقت میں لڑکپن کے دور سے گزر رہا تھا۔ بعد میں مجھے خود اس بات سے الجھن سی محسوس ہونے لگی اور میں نے ایسی غزلیں،
نظمیں اور افسانے تلف کر دیے۔“

ان کے اس جواب پر میں مسکرا دیا۔ مجھے اپنا زمانہ یاد آگیا۔ میں نے بھی تقریباً ایسا ہی کیا تھا بلکہ بہت سی ایسی طنز یہ نظمیں اور غزلیں جو کہ اب میرے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتی تھیں ایام جاہلیت کی شاعری قرار دے کر انھیں تلف کر دیا تھا اور اخبارات کے جن صفحات میں وہ ریکارڈ محفوظ تھا اسے دیمک چاٹ گئی۔

”آپ کی شاعری کی مقصد؟“ میں نے پوچھا: ”میری شاعری کا مقصد ان اخلاقی قدروں کی یاد دہانی ہے جنھیں انسان فراموش کر چکا ہے۔“ مختصر سوال کا انتہائی مختصر جواب پسند آیا جو دریا کوکوزے میں بند کرنے کے متراff تھا۔

میں نے عادل اسیر صاحب سے معلوم کیا: ”آپ کی ادبی کاؤشیں کن اخبارات و رسائل میں شائع ہو چکی ہیں؟“

انھوں نے ذہن پر زور دیتے ہوئے فرمایا: ”میری تخلیقات روزنامہ ”پرتاپ، ملپ، تج، عوام، قومی آواز“ کے علاوہ ”فلمنی ستارے، گلفnam، شب خون، آج کل، ایوان اردو، پرواز ادب“ وغیرہ رسائل میں چھپتی رہی ہیں۔ تقریباً آٹھ دس سال پہلے میں بچوں کے ادب کی طرف سنجیدگی سے راغب ہوا۔ جب سے زیادہ تر بچوں کے لیے ہی لکھا ہے۔ میں پچیس کتابیں بچوں کے لیے تالیف و تصنیف کر چکا ہوں۔ جن میں سے پانچ کتابیں ۱۹۹۵ء میں شائع ہوئی ہیں جن میں دو کتابیں نیشنل بک ٹرست سے چھپنے والی (ترجمہ کی ہوئی کتابیں) شامل ہیں۔ ایک کتاب ”بچوں کی رباعیاں“

مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی سے شائع ہوئی ہے۔ جو کہ اب آپ کے سامنے ہے۔ باقی دو کتابیں ”بچوں کے اقبال“ اور ”گفتار کی کہانیاں“ سورج پر کاشن دہلی نے شائع کی ہیں۔ مزید دس پندرہ کتابیں زیر طبع ہیں۔ جن میں آسان نظمیں اول، آسان نظمیں دوم، مرتبہ ہیں۔ آسان نظمیں (زسری) اور بچوں کی نظمیں میری تصنیف ہیں۔ یہ چاروں کتابیں جلد ہی شائع ہونے والی ہیں اور میرے خیال میں نوری بچوں کے لیے یہ کتابیں ایک خوبصورت تحفہ ثابت ہوں گی۔

”اس میں کیا شک ہے۔“ میں نے تائید کی اور ان کے پسندیدہ ادیب کے بارے میں جانتا چاہا تو انھوں نے نہایت سمجھداری سے جواب دیا۔

”بچوں کے ادیب کی حیثیت سے میں ڈاکٹر ذاکر حسین کو بے حد پسند کرتا ہوں۔ ان کی کہانی ”ابو خاں کی بکری“ مجھے بچپن میں بہت پسند تھی۔ موجودہ زمانے میں میری پسند کسی ایک ادیب تک محمد وہبیں ہے۔“

میں نے مسکراتے ہوئے شعراء سے متعلق ان کی پسند جانتا چاہی تو توقع کے مطابق انھوں نے پھر محتاط سا جواب دیا کہ:

”بچوں کے شاعر کی حیثیت سے میں ڈاکٹر اقبال کو بے حد پسند کرتا ہوں۔ لیکن شاعری کیونکہ مجھے نثر سے زیادہ مرغوب ہے۔ اس لیے یہ فہرست کافی طویل ہے اور اس میں اساعیل میرخی، موالا الطاف حسین حالی، شفیع الدین نیر کے علاوہ بھی کم سے کم ایک درجن نام فی الوقت میرے ذہن میں موجود ہیں۔“

میں نے پھر اسی طرح کا ایک سوال کر کے انھیں پختانا چاہا مگر ایک شاطر سیاسی کی طرح انھوں نے پھر دامن بچاتے ہوئے کہا: ”اس سوال کا جواب میرے لیے مشکل ہے کیونکہ میرے پسندیدہ ادیبوں کی طویل فہرست ہے۔“ اسی صاحب مسکرانے لگے۔ شاید اس لیے کہ وہ سوالات کے سخنور سے نکلنے کا گر جانتے تھے۔ بہر حال میں نے موضوع بدلا اور پوچھا: ”نئی شاعری کے لب ولج سے آپ کو کس حد تک اختلاف یا اتفاق ہے؟“

عادل اسی صاحب نے فرمایا: ”نئی شاعری وقت کی ضرورت ہے اور ہمیں کھلے دل سے نئے ثابت تجربات کا استقبال کرنا چاہیے۔“

”آپ کی نظر میں ہندوستان میں اردو کا مستقبل کیسا ہے؟“

”ہندوستان میں اردو کا مستقبل تابند ہے۔ آج اردو کی کتابوں کا معیار براعتبار سے

بلند ہے۔ مختلف اکادمیوں کے قیام نے اردو کی ترویج کے زیادہ موقع پیدا کیے ہیں۔ ہماری مرکزی حکومت کے ساتھ ساتھ ریاستی حکومتیں بھی اس سلسلے میں ثبت اقدامات کر رہی ہیں تاکہ اردو کو اس کا جائز مقام دلا جائے۔ ”عادل صاحب کا جواب تھا۔

”آپ کے پسندیدہ رسائل کون کون سے ہیں؟“ یہ میرا اگالا سوال تھا۔

”اردو کے تقریباً تمام معیاری رسائل مجھے پسند ہیں۔“

اکبرالہ آبادی کے ایک معروف شعر جس کا ایک مصروع ہے ”دوا سے شوہر و اطفال کی خاطر تعلیم“ پڑھ کر ان کے احساسات جاننا چاہے تو انہوں نے بس اتنا کہا۔

”اکبرالہ آبادی کا مذکورہ شعر بہت پرانا ہے۔ اس لیے اس موضوع پر دور جدید کے کسی نئے شاعر کا شعر پیش کیجئے۔“ اور مسکرانے لگے۔

”مخلوط تعلیم کے بارے میں آپ کے خیالات کیا ہیں؟“

”مخلوط تعلیم کے نقصانات سے آج پوری دنیا واقف ہے۔“

”فلم اور لیڈی کو آپ کیسا سمجھتے ہیں؟“ میں نے پوچھا:

”فلم اور لیڈی آج دنیا کی ضرورت بن چکے ہیں۔ اس لیے فرار کی کوئی صورت ہمارے سامنے نہیں ہے۔ میرے خیال میں ان سے بیش بہا تعمیری کام لیے جاسکتے ہیں لیکن اتفاق سے یہ میڈیا کچھ کاروباری لوگوں کے ہاتھ میں زیادہ چلا گیا ہے جس کا وہ خاطر خواہ ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اس سلسلے میں حکومت اور عوام کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس مشترکہ طور پر کرنا ہو گا۔“
عادل اسیر صاحب کے پاس وقت کم تھا۔ آج ہی اُن کو دبليو اپس لوٹنا تھا۔ اس لیے میں نے ان کا شکر یہ ادا کرتے ہوئے پوچھا:

”نوری بہن بھائیوں کے لیے آپ کا کیا پیغام ہے؟“ انہوں نے فرمایا: ”نوری بچوں سے میری خواہیں ہے کہ وہ اپنے کردار کی تعمیر کا خاص طور پر خیال رکھیں۔ کیونکہ دنیا میں انھیں لوگوں نے نام پیدا کیا ہے جو اخلاقی طور پر بہت مضبوط تھے۔ سچائی، محبت، خلوص، اعتراف کے ذریعے بڑے سے بڑے دشمن کو بھی دوست ہنایا جا سکتا ہے۔ مستقل مزاوجی اور عزم مسلسل کی وجہ سے ہی آج انسان چاند پر قدم رکھ سکا ہے۔ زندگی میں ناکامی بھی ہوتی ہے اور کامیابی بھی۔ کامیابی پر غرور اور ناکامی پر مایوس اور شکست خور دہ نہیں ہونا چاہیے بلکہ:

راضی تو ہر بیت پہ بھی ہو جائے اگر
پھر تیرے مقدار میں نہیں کوئی شکست

”جزاک اللہ!“

میں نے کہا اور دلاری بند کی۔ کچھ دیر بعد عادل اسیر صاحب دہلی کے لیے روانہ ہو گئے۔

(مطبوعہ: ماہ نامہ ”نور“ رام پور صفحہ ۳۲۷، ستمبر ۱۹۹۶ء)

”بچوں کے ماہیے“

عادل اسیر دہلوی کا ایک فنکارانہ اظہار

احسان ثاقب

نظم و نشر پر یکساں عبور رکھنے والے عادل اسیر دہلوی کی تعارف کے محتاج نہیں۔ ملک کے بیشتر نقاد اور اہل نظر نے ان کے فن کو کھنگالا اور منتعھن کیا ہے اور ان کے فکر و احساس کو ہری جھنڈی دکھادی ہے۔ بچوں کا ادب یا بڑوں کا ادب کہہ کر کسی قلم کار کے قد کا تعین کرنا بے محل کام ہے۔ ادب ہر حال میں ادب ہوتا ہے بلکہ بچوں کے تعلق سے لکھنے والے کو مختلف احساسات و ادراک سے گزرنا پڑتا ہے، اُس کمہار کی طرح جس کے ہاتھ میں گیلی مٹی ہوتی ہے اور اُسے اُس گیلی مٹی میں سے روپ رنگ نکالنے پڑتے ہیں۔ اس تناظر میں عادل اسیر نے بچوں کی نفیات کے مطابق دو درجن کتابیں لکھ کر عالم ادب میں اپنا اک مقام متعین کر لیا ہے۔

مرحوم عنوان چشتی کے مطابق ”ہر اہم اور نیا لکھنے والا دوسروں سے بچ کر چلتا ہے۔“ جس ادب کی طرف ادباء و شعرا، محض اپنی فنی مطابقت کے لیے متوجہ ہوتے ہیں اُس کی طرف عادل اسیر پوری دل جمعی کے ساتھ متوجہ ہوئے اور خود کو تقلیدی روایتوں میں انجھنے نہیں دیا بلکہ ہر موڑ پر انہوں نے اپنی تحریر کی انفرادیت برقرار رکھی۔ خیال کے توازن کا یہ عالم ہے کہ بعض جگہ تجربیدیت میں بھی غنا میت آگئی ہے۔ اپنے تخلیقی اظہار میں عموماً عادل اسیر نے فکر و احساس کے ساتھ نئے مواد کی ترتیب اور نئے انداز و اسلوب کا خیال رکھا ہے۔

عادل اسیر دہلوی ہمارے معاشرے کے ایک ایسے فرد ہیں جن کے فطری سوز میں بلا کی جاذبیت اور ندرت ہے۔ عام صنفوں سے ہٹ کر جس طرح انہوں نے ان قابل قدر صنفوں کو اپنے اظہار کا وسیلہ بنایا ہے وہ ان کو دوسرے نئے اور پرانے شعرا میں ممتاز بناتا ہے۔ رباعی، نعت، دوہا، کہہ کرنی، گیت اور اب مانیا، اگرچہ عالمی ادب میں ان صنفوں کو تکمیل و تصدیق کا درجہ حاصل ہے اور اردو شاعروں نے بے مثال معنویت ان کو عطا کی ہے۔ دیکھا جائے تو عادل اسیر نے ان میں سے ہر صنف پر طبع آزمائی کر کے اردو ادب میں اپنے کچھ ہونے کا احساس دلا یا ہے۔ میرے سامنے اس وقت دو کتابیں ”بلے بلے“ اور ”اگر بکرو“ صنف مانیا کے تعلق سے

ہیں۔ ”بلے بلے“ میں ۲۵ ماہیے اور ”اگو بکڑو“ میں ۶۰ ماہیے ہیں۔ ”بلے بلے“ میں اردو کے معروف شاعر محترم جناب علقتہ شبلی کے قیمتی تاثرات درج ہیں۔ انہوں نے کھلے دل سے عادل اسیر کی شاعرانہ صلاحیتوں کو قبول کیا ہے اور انہیں کا اسکی روایات اور بر محل افظیات کا شاعر قرار دیا ہے۔ ماہیا اردو میں ایک نو اردو صنف ہے اور اس کی عمر چند دہائیوں سے زیادہ نہیں۔ پنجابی ماہیا تمکن مصروعوں پر مشتمل سر سطری صنف ہے۔ اردو میں بھی تمکن ہی مصروع ہوتے ہیں۔ پہلا اور تیسرا مصروع ہم وزن ہوتا ہے اور دوسرا مصروع میں ایک رکن کم ہوتا ہے۔ تسلیم شدہ اوزان کے تحت دو بح مرکر کے گئے ہیں:

مفقول مناعیلن فعل مناعیلن مفعول مناعیلن
فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن

”بلے بلے“ کے تمام ماہیے پہلی بھر کے مطابق ہیں اور ”اگو بکڑو“ کے ماہیے دوسرا بھر

کے مطابق ہیں:

ہو جاتی بلا میں کم / اللہ سے اپنے اکرتے جودعا میں ہم (بلے بلے)

برسات چلی آئی / پر کیف ہوا کی / سونات چلی آئی (بلے بلے)

جلدی اٹھ جائیں اب / متنا اور منتی / ہم سب جائیں مکتب (اگو بکڑو)

چڑیا کرتی چوں چوں / صحیح سوریے اٹھ کر / متنا کرتا غوں غوں (اگو بکڑو)

عمر اور تجربوں سے ہر آن انسان اپنی ذات کو تبدیل کرتا ہے۔ یہ تبدیلی اسے بلندی پر واڑ عطا کرتی ہے اور آگے جانے کا حوصلہ بھی۔ لیکن جب اسی انسان کو فکر و احساس کی بنیاد پر مراجعت کرنا پڑ جائے تو بھٹکاؤ کا امکان بڑھ سکتا ہے لیکن عادل اسیر جب عمر کی پختگی کے باوجود بچوں کے معصوم احساسات کی طرف لوٹتے ہیں تو کہیں کوئی قتنی ٹوٹ پھوٹ نظر نہیں آتی۔ ان کے تعلق سے ہر جگہ پختہ شاعر کی شبیہہ باقی رہتی ہے۔

ان کی جو بھی نئی کتاب آتی ہے وہ مجھے جیسے کم علم کو چونکا دیتی ہے۔ اپنے طور پر عادل

اسیر جس میدان میں اپنا قدم رکھتے ہیں اُسے منفرد بنادیتے ہیں۔ ان کی ادبی کاوشوں سے نہ صرف پچھے دھنٹا نہیں سکتے بلکہ بڑوں پر بھی ایک ثابت اثر قائم ہوتا ہے۔

بتایا جاتا ہے کہ ماہیا پنجاب کے لوگوں کا ایک دلکش حصہ ہے۔ اسے صرف عورتیں

و باب آپس میں مل جل کر گاتی ہیں۔ اس کے شاعر اور گلوکار وہ خود ہوتی ہیں۔ اس میں عاشقانہ

جد بات، هجر و فراق اور پیار محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ وہاں کی بہت مقبول عوامی صنف تھن ہے۔ اردو ہمیشہ اس طرح کی غنائیت سے مسحور ہوتی رہی ہے۔ آج اردو کا ہر شاعر اس صنف تھن پر مشتمل قلم کر رہا ہے۔

عادل اسیر کو میں تھہ دل سے مبارکباد دیتا ہوں کہ انہوں نے اس غنائیت بھری صنف کا جادو نما احساس بچوں کے قلب تک پہنچا دیا ہے۔ دنیا جانتی ہے، ”دل سے جوبات لکلتی ہے اثر کھتی ہے۔“

علاوه ازیں بچوں کے مانیے کے تعلق سے پنجابی مانیے میں اس کا تجربہ نہیں ملتا۔ پہلی بار عادل اسیر دہلوی ”بلے بلے“ اور ”اکڑ بکڑ“ کی کتابیں پیش کر کے بچوں کے مانیے کا رو جان بنانے میں اہم روپ ادا کر رہے ہیں:

بے بس سے جھگڑنا کیا / کم زور پر مت چڑھا لا / چار سے لڑنا کیا	(بلے بلے)
مرغوب صفائی ہے / پوشیدہ اسی میں / ہم سب کی بھلائی ہے	(بلے بلے)
تقلی سے محبت ہے / بچپن کے یہ دن ہیں / بچوں سے بھی رغبت ہے	(بلے بلے)
جو کرتے ہیں محنت / وہ بچے پائیں / استادوں کی چاہت	(اکڑ بکڑ)
پیارے پیارے انو / پیاری امی جان / دونوں پھول اور خوبصورتی	(اکڑ بکڑ)
نام ہے جس کا لڈوا / بچوں کے دل پر ادھ کرتا ہے جادو	(اکڑ بکڑ)

اب تک کے ادبی حوالوں سے یہ بات یقینی طور پر واضح ہو چکی ہے کہ چالیس بیالیس مستند شاعروں نے اردو ماہیا کی طرف اپنی توجہ بڑے سایقے سے مبذول کی ہے لیکن بجا طور پر عادل اسیر دہلوی بچوں کے مانیے کے تعلق سے ایک بڑا نام ہے۔

(مطبوعہ: ماہ نامہ ”نئی شناخت“، نئی دہلی، صفحہ ۱۲۵ تا ۱۵۱، اکتوبر ۲۰۰۵ء)

ادبی تربیت اور شخصیت سازی

(ادب اطفال کے تناظر میں)

اشناق احمد عارفی

دنیا کی تاریخ میں انسانی دریافت اور ترقیات کی سب سے بڑی اور اہم مثال زبان اور اظہار و بیان کے مختلف النوع انداز اور طریقے ہیں۔ اشارتی اظہار اور تحریر کی ایجاد سے لے کر کمپیوٹر ایالاگ و ترسیل تک جدید ترین اور ترقی یافہ سماج کی ہر کامیابی کے پچھے بینا دی روی انسان کی انسانی قوت ہی کا رہا ہے۔ انسانی شخصیت کی بہتر اور مکمل نشوونما اور ملک و معاشرے کی بھر پور اور ہمہ جہت ترقی کے لیے بہتر سے بہتر انسانی اظہار کی صلاحیت کی ضرورت ہر دور میں محسوس کی جاتی رہی ہے اور اکیسویں صدی میں دنیا چاہے الیکٹرائیک ترسیل و ایالاگ کی جس بلندی تک پہنچ جائے، اظہار و بیان کی تحریری قوتوں کا جادو سرچڑھ کر بولتا رہے گا۔ آج الیکٹرائیک میڈیا سے پرنٹ میڈیا کو درپیش خوف و ہراس کے ماحول میں جو لوگ بچوں کے ادب کی توجہ اور انہما ک سے خدمت انجام دے رہے ہیں وہ قابل توجہ اور لا اُق تقلید بھی ہیں۔ سچ پوچھیے تو یہ کام اہم یا اہم ترین ہی نہیں عظیم اور عظیم الشان درجے کا ہے جس کا دائرہ زبان کی حدود تک نہیں پورے سماج اور قوم تک وسعت رکھتا ہے۔ نئی نسل کو اچھی زبان میں اچھے ادب کی فراہمی سے جہاں ایک طرف اچھے انسان اور اچھے شہری کی طرف ذہنوں کی رہنمائی ہوتی ہے وہیں ایک مہذب مثالی سماج کی تشکیل بھی عمل میں آتی ہے۔ اردو میں بچوں کے ادب کی روایت کوئی نئی نہیں۔ حالی، اسماعیل میرخی، اقبال، پریم چند، ڈاکٹر حسین، کرشن چندر، عصمت، قرۃ الاصین حیدر، رام لعل، خواجہ احمد عباس، اظہر پرویز اور شفیع الدین نیر کے نام اس سلسلے میں قابل ذکر ہیں۔ بچوں کے لیے اردو میں شائع ہونے والے گفتگو کے چندر سالوں کے علاوہ عام سطح پر قابل ذکر ادیبوں کے حلقوں میں بچوں کے لیے ادب کی تخلیق پر توجہ نہیں دی جاتی ہے۔ یہ صورت حال کسی زبان کی ادبی صورت حال کے لیے ماہوس کن ہے۔ مغرب کی ترقی یافہ زبانوں میں بڑے سے بڑے ادیبوں اور شاعروں میں بھی بچوں کے ادب کی تخلیق کا رجحان پرواں چڑھ رہا ہے۔ ہمارے یہاں عادل اسیر دہلوی ایک ایسا نام ہے جس نے انگلی اور رش میں متعدد کتابیں لکھ کر اردو کے ادبیات اطفال میں قابل ذکر اضافے کیے ہیں۔ ان کتابوں کی فہرست میں کہانیوں، گیتوں، نظموں، رباعیوں اور دوہوں کے علاوہ پہلیاں بھی شامل ہیں۔ بچوں کی ڈنی اور شخصی نشوونما اور تفریح طبع کے لیے تحریری ادب اور

الیکڑا ایک ادب کارول تو ایک الگ بحث کا متقاضی ہے لیکن ”گیت مala، بچوں کی رباعیاں، بچوں مala، آسان نظمیں، بچوں ہی بچوں، بچوں کے دو ہے اور بوجھو تو جانیں“، جیسی تخلیقات خاص طور سے شخصیت ساز قسم کے ادب کا درجہ رکھتی ہیں۔ فنی اعتبار سے رباعی کو ادب کی ایک مشکل صنف تسلیم کیا جاتا رہا ہے۔ شاید اسی لیے بچوں کو پیش نظر رکھ کر اس طرف توجہ نہیں دی گئی تھی۔ بچوں کے لیے رباعیاں لکھ کر عادل اسیر دہلوی نے ٹھہرے ہوئے پانی میں ایک بھاری پتھر پھینکا ہے۔ لفظوں کے انتخاب میں بچوں کی دلچسپی اور ذہنی معیار کا بطور خاص خیال رکھا گیا ہے۔ اردو ادب میں دو ہے کی قدیم روایت کو ”بچوں کے دو ہے“ کی شکل میں ایک نئی سمت دینے کی کامیاب بکوش کے ذریعے عادل اسیر نے ادبیات اطفال میں ایک نیا اضافہ کیا ہے۔ اسی طرح بچوں کے لیے پہلیوں کا مجموعہ ”بوجھو تو جانیں“، ادبی اہمیت کے علاوہ تہذیبی سطح پر ایک بڑا کارنامہ ہے۔ آج کے نئے سماج میں وہ نانی اماں ہیں نہ دادی ماں جو بچوں کو سوتے وقت طرح طرح کی پہلیوں اور قصہ کہانیوں کی لوری سنائیں اور معاشرتی حس بیدار کرتی تھیں بلکہ انسانی اور اخلاقی قدر میں بھی پیدا کرتی تھیں۔ آج ان کی جگہ گھروں میں صبح سے شام تک ٹھی وی کے پردے پر نیچے جو کچھ دیکھتے ہیں اس سے ہم سب واقف ہیں۔ صارفانہ اور کاروباری ذہنیت، اخلاقی ضابطوں اور انسانی قدروں سے آزاد مسابقت کی تعلیم، ان سب کے درمیان بچوں کو اگر تھوڑی دیر کے لیے اس قسم کی منظوم پہلیوں کا شغف دلا جائے تو بچوں کے ساتھ بڑوں کے لیے بھی مفید ہو گا۔

یوں تو عادل اسیر دہلوی کو ملک کی مختلف اردو اکادمیوں سے انعامات اور اعزازات مل چکے ہیں، نیشنل بک ٹرست سے ان کی (ترجمہ کی ہوئی) کتابوں کی اشاعت ہو چکی ہے، بڑے بڑے ادبیوں، شاعروں، مصنفوں اور ناقدوں نے ان کی تخلیقات پر اپنی آراء تحریر کی ہیں۔ ان سب کے باوجودیج تو یہ ہے کہ عادل اسیر ان سب سے بے نیاز اپنی پوری معصومیت اور وابستگی کے ساتھ ادب اور معاشرے کی بے لوث خدمت انجام دیے جا رہے ہیں۔ جو نیچے بھی خود سے پڑھنے کی عمر میں نہ ہوں انھیں بھی اگر اس قسم کی تخلیقات والدین باواز بلند اور خوش گواراب و لمحے میں پڑھ کر نہ میں تو بچوں کے اندر ادبی ذوق اور انسانی صلاحیت پیدا کرنے کا سب سے اچھا اور آسان طریقہ ہو گا۔ شاید اس سے والدین کو بھی بچوں کو پرورش و پرداخت، ذہن سازی اور شخصیت سازی کا ایک انوکھا راز حاصل ہو۔ اچھا ہے اگر آپ بھی آج نہیں تو کل سے اس کا تجربہ کر کے دیکھ لیں۔

(مطبوعہ: روزنامہ ”راشتریہ سہارا“، اردو، نئی دہلی، ۸ جولائی ۲۰۰۱ء)

ادب اطفال کا نیا نقش گر: عادل اسیر دہلوی

سعید طارق

عادل اسیر سے میری پہلی ملاقات ۱۹۷۹ء کے آخری دنوں میں ہوئی تھی۔ یہ تقریباً نہیں بر س ر ہو گئے۔ اس وقت ان کی حیثیت ایک غزل گو شاعر کی تھی۔ پھر اس کے بعد بر سہابر س گزر گئے۔ عادل اسیر نے غزل کے اس وقت کے مہم میلانات سے جست لگانے کی کوشش شروع کی۔ اردو کے بہترین ادبی سرمائے سے استفادے کی خبریں ان کی گفتگو دیا کرتی تھی۔ یہی نہیں عربی فارسی کے شعری ادب اور کسی حد تک انگریزی ادب سے بھی گزرے۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ سارا دور کچھ ایسا تھا گویا عادل اسیر اپنے لیے کسی منزل کا تعین کر رہا ہو۔ پھر اس کے تحت اشعری فیصلے نے ایک میدانِ عمل ضرور طے کر دیا اور اس نے بچوں کے ادب پر اپنی توجہ مرکوز کر دی۔ چنانچہ اب تک عادل اسیر کے قلم سے بچوں کے ادب کے تحت کئی کار آمد اور پر اثر کیا ہے میں منظر عام پر آچکی ہیں اور ان کا قلم بچوں کے شعری ادب کے سلسلہ میں راخن ہوتا جا رہا ہے۔

بچوں کی رباعیاں عادل اسیر کے ایسے شعری مظاہر ہیں جن میں بچوں کی ذہنی نفیاں کو پیش کیا گیا ہے۔ بچوں کے مزاج میں ایک طرح کا لوح ہوتا ہے جو ان کو حسب ضرورت موڑنے میں معاون ہے۔ یہ لوح اس پچکیلے پودے جیسا ہے جسے جس انداز میں اور جس رخ پر موڑ دیا جائے، آگے چل کر وہی انداز اور ویسا ہی رخ لیے ہوئے ایک تناور درخت کی شکل اختیار کر لیتا ہے، عادل اسیر کی رباعیوں کا اسلوب بچوں کے مزاج کے اس لوح سے بہت قریب ہے۔ مثلاً بچوں کو ہر کام کی ابتداء ازاں خیر سے کیتے جانے کی تلقین ان کے اس تہذیبی پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے کی گئی ہے جس سے وہ گزر رہے ہیں:

جب کام کرو کوئی کبو بسم اللہ آغاز میں ہر بار پڑھو بسم اللہ
پڑھتے ہوئے بسم اللہ سبق یاد کرو جختی پہ سدا پہلے لکھو بسم اللہ
ای طرح تعلیم کی ضرورت اور اہمیت، استاد کا ادب، والدین کی فرمان برداری، صبح
خیزی کی تلقین، صحت و صفائی کی ضرورت، مناسب طریقے پر کھیل کوڈ کے فوائد، مطالعہ کی
ترغیب، حق و انصاف پر قائم رہنے کے ثابت نتائج، روزہ کی تاکید، سائنسی ایجادات کا تذکرہ،

پڑ دی سے حسن سلوک وغیرہ اور بہت کچھ رباعیوں میں سمسنے کی کوشش کی گئی ہے۔

عادل اسیر کی رباعیاں چونکہ تعداد میں بہت زیادہ نہیں ہیں اس لیے مختصر وقت میں ان رباعیوں کا مطالعہ خود ایک ثبوت ہو سکتا ہے۔ فنی نکتہ نظر سے رباعی کی بحث ہر چند کہ مشکل مانی جاتی ہے لیکن جب اس پر دسترس ہو جائے تو حیرت انگیز تجربے سے دوچار کرتی ہے۔ مثلاً یہی کہ سنجیدہ مفصایں کے سلسلے میں یا اگرچہ واقعی ایک ”بحر“ کی طرح عمیق معلوم ہوتی ہے تاہم اس میں ایک خاص قسم کی ہلکوں کے لیتی ہوئی کیفیت بچوں کی ہلکوں کے جیسی حالت کے مشابہہ بھی ہے۔ عادل اسیر کی رباعیوں میں کچھ ایسا تاثر ہے اور یہ کچھ کم حیرت ناک نہیں۔

عادل اسیر نے نظمیں بھی بچوں کی نفیاں کو مد نظر رکھ کر لکھی ہیں۔ بچوں کا ادب تخلیق کرنا گوکہ برائے طفلاں ہے لیکن بہر حال طفلا نہ کام نہیں ہے۔ حق یہ ہے کہ عادل اسیر نے بچوں کے لیے نظمیں، عہد طفلی کی شعوریت کو اپنے آپ میں سموکر لکھنے کی کوشش کی ہے۔ بچوں کے لیے لکھتے وقت یہ نکتہ بعض شعراء کے ذہن میں نہیں رہتا اور وہ بچوں کے ادب کے نام پر مہمل شے تصنیف کر کے رکھ دیتے ہیں۔ نیتناوہ بچوں کے تحت الشعوری ادراکات تک اپنی فنی خلاقی کو نہیں پہنچا پاتے اگرچہ تخلیق تو ہو، یہی جاتی ہے۔

اردو زبان میں بچوں کے ادب پر بہت زیادہ کام نہیں ہو سکا ہے اور نہ ہی بڑی تعداد میں اچھے لکھنے والوں کے نام لیے جاسکتے ہیں۔ البتہ محمد فاروق دیوانہ، شفیع الدین نیر جیسے بعض قابل ذکر نام ایسے ضرور ہیں جنہوں نے بالخصوص بچوں کے شعری ادب میں بہتر نقش چھوڑے ہیں۔ اس لحاظ سے عادل اسیر کو اردو ادب اطفال کا ایک نیا نقش گر کہا جاسکتا ہے۔

(مطبوعہ: ہفت روزہ ”جرس کارواں“، نئی دہلی، ۲۶ نومبر ۱۹۹۸ء)

ادب اطفال کا نمائندہ شاعر: عادل اسیر دہلوی

*(”بچوں کی نظمیں“ کی روشنی میں)

ڈاکٹر خوشحال زیدی

عام طور پر لوگوں کا خیال ہے کہ گذشتہ تین چار دہائیوں میں ادب اطفال زوال پذیر رہا ہے، کم لکھا جا رہا ہے۔ بڑے لکھنے والوں نے بچوں کے ادب سے بے اعتمانی برتنی ہوئی ہے۔ بچوں کے رسائل نہیں ہیں۔ شاعر اور ادیب عنقا ہو گئے ہیں۔ بچوں کی اچھی کتابیں نہیں آ رہی ہیں۔ یہ غلط مفروضہ اردو بھی میں نہیں، ہندوستان کی تمام زبانوں کے ادب اطفال کے بارے میں ہے۔ جبکہ یہ سراسر غلط ہے۔ بچوں کے لیے لکھا جائز ہے اور خوب لکھا جائز ہے۔ نظمیں بھی اور کہانیاں بھی، اچھی اچھی خوبصورت کتابیں بھی آ رہی ہیں اور بچوں کے رسائل بھی نظر آتے ہیں۔ بچوں میں بھی عزم ہے اور لکھنے والوں کی بھی کمی نہیں، البتہ ہماری کوتاہ نظری اور والدین کی عدم توجہ ضرور نظر آتی ہے۔ ”بچوں کی نظمیں“ (عادل اسیر دہلوی) جیسی خوبصورت اور نئی کتاب اور ”نہر و چلندر ان اکیڈمی“ جیسا ادارہ ہمارے سامنے ہیں۔ آج بھی ہمارے درمیان ایسے لوگ موجود ہیں جنہوں نے اپنی پوری زندگی بچوں کے لیے وقف کر دی ہے۔ وہ تقریباً ۲۵-۳۵ دہائیوں سے بچوں کے لیے لکھ رہے ہیں۔ ایسے لوگوں میں رفع احمد، ایم یوسف انصاری، عطیہ پروین، مظہر امام، مناظر عاشق ہرگانوی، محبوب راءی، علقہ شبلی، تکمین زیدی جیسے وانشوروں کے نام ہیں، جنہوں نے آزادی ہند کے بعد گیسوئے ادب اطفال کو سنوارا، ادب اطفال کی طرف پوری توجہ دی۔ نئی نسل میں یا یوں کہنا چاہیے کہ گذشتہ دو دہائیوں میں جوفنکار ابھر کر سامنے آئے ہیں، ان میں وکیل نجیب، نعلام حیدر، محمد رفع انصاری، بانو سرتاج، عبد الرحیم نشر، محمد سراج عظیم، محمد اطہر مسعود خاں، انور شیم اور اور عادل اسیر دہلوی کے نام لاکن ذکر ہیں، جو بچوں کے لیے مستقل لکھر رہے ہیں۔ یہاں میں نے ان چند لوگوں کے نام گنائے ہیں جو ہمارے درمیان بحمد اللہ موجود ہیں۔ اس زمرے میں عادل اسیر دہلوی کا نام پیش پیش نظر آتا ہے۔ بچوں کا کوئی رسالہ، اخبار کا بچوں کا گوشہ، بچوں کے ادب کا کوئی گوشہ ان کے قلم سے چھوٹا نہیں ہے۔

”بچوں کی رباعیاں“، بچوں کے اقبال، گلستان کی کہانیاں، بچوں مالا، بچوں کے

اسا عمل، گلستان نعت، بیربل کی کہانیاں، کہادتوں کی کہانیاں، امیر خروکی پہلیاں، ہمارے سامنے داں، بچوں کی دیکھ بھال، بوجھو تو جانیں، گیت مala، بچوں ہی بچوں، آسان نظمیں، بچوں کے دو ہے، چڑیا گھر کے اندر، رنگ برلنگے بچوں، اور ”بچوں کی نظمیں“، جیسی تخلیقات کے خالق عادل اسیر دہلوی نئی نسل میں کسی کھتاج تعارف نہیں۔ میرے اپنے خیال میں اتنی کم مدت میں اتنی معیاری مفید مطلب تخلیقات، نظم و نشر کی کسی دوسرے نے نہیں تخلیق کیں۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے ان کی ایسی تخلیقات کی تعداد پچاس سے بھی زائد ہے۔ عادل اسیر تقریباً دو دہائیوں سے بچوں اور بچوں کے ادب کی ضرورت اور مسائل کے پیش نظر ایک مجاہد کی طرح ادب اطفال کی خدمت کر رہے ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان کی ایسی تمام تخلیقات کی زبان اور اسلوب بچوں کی اپنی زبان اور اسلوب ہے۔ جیسا کہ ہم سب ہی جانتے ہیں کہ بچوں کے لیے لکھنا آسان کام نہیں یا یوں کہیے کہ بچہ بننا آسان نہیں۔ عادل اسیر کی تخلیقات سے بخوبی محسوس کیا جا سکتا ہے کہ وہ بچہ بن کر ہی سب کچھ لکھتے ہیں، ایک بچے کی طرح سوچتے ہیں، آس پاس کی دنیا کو بچے کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ وہ ایک ماہر نفیات کی حیثیت سے بچوں میں گھل مل جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے موضوعات بھی بچوں کے اپنے موضوعات ہیں اگر ایسا نہ ہوتا تو ”چیونگم“، جیسی نظم وہ کیسے لکھتے۔ ہمارے زمانے میں حلوہ اور نافی اور آج کل چاکیٹ اور خصوصاً چیونگم بچوں کو بہت پسند ہے۔ بچے بہت مزے لے لے کر اس کو چباتے ہیں۔ لیکن عادل اسیر کی زبان میں سنئے:

بہت ہی مزے دار ہے یہ چیونگم انوکھی بہت یار ہے یہ چیونگم
 جو منہ سے لگا کر پھلاتا ہے مٹا تو غبارہ اس سے بناتا ہے مٹا
 ہر اک چیز میٹھی ہے مرغوب مجھ کو منھائی سے ٹافی ہے محبوب مجھ کو
 اگر چہ یہ ٹافی نہیں میرے بھائی مگر اس سے کم بھی نہیں میرے بھائی
 ایسے موضوعات کو نظم کرنے میں ان کو اس لیے کامیابی ہوئی کہ خود ان کی طبیعت میں مقصومیت ہے۔ وہ مخصوصیت جو ان کو بچوں کے احساسات کے قریب کر دیتی ہے۔ وہ ایسی چھوٹی مولیٰ چیزوں پر بھی لکھنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں جو بچوں کے لیے اہمیت رکھتی ہیں۔

”بچوں کی نظمیں“ میں شامل: ”سانپ اور نادان لڑکا، خدا جانتا ہے، اکثر میں سوچتا ہوں، بھول نہ جانا، اے کاش ایسا ہوتا، بچلی کا بلب، سچلیے والا، کھر نیاں، چو ہے داں، بر کھا، اور ”اسکول کا گیت“ اردو ادب اطفال کی نمائندہ نظمیں کبھی جا سکتی ہیں۔ اسما عمل میرٹھی، حامد اللہ

افسر اور شیخ الدین نے جیسے شعرا کے بعد ایسے بلکہ چھلکے موضوعات پر مسلسل لکھنے والے لوگ کم ہی نظر آتے ہیں۔ عادل اسیر کی ایسی نظموں میں رزم بھی ہے۔ ”اسکول کا گیت“ کا یہ بند ملاحظہ ہو:

جس میں ٹھپر اچھے اچھے جس میں پیارے پیارے پچے
پچے جو ہوتے“ ہیں پچے وہ اسکول ہمارا ہی ہے
وہ اسکول ہمارا ہی ہے

بھلی بڑے اور چھوٹوں کے لیے مفید اور کار آمد ہے۔ روزمرہ زندگی میں کام آنے والی اہم شے ہے۔ ”بھلی کا بلب“، جو روشنی دیتا ہے۔ بچوں سے مخاطب ہے:

جلتا ہوں پر آگ نہیں ہوں دُستا ہوں پر ناگ نہیں ہوں
جمگ جمگ کرتا ہوں میں روشنی گھر میں بھرتا ہوں میں
میری فصیحت خوب سنو تم بچو! مجھ سے دور رہو تم
اردو کے دوسرے شعرا کی طرح عادل اسیر نے بھی نظم ”خدا کے جلوے“ سیدھے سادے اور روایتی انداز میں پیش کی ہے:

بنا یا جس نے دنیا کو خدا ہے وہ خدا ہے وہ جدا ہے وہ
بڑی حکمت سے اس نے کارخانہ یہ بنا یا ہے فلک پر چاند تاروں کو بھی اس نے ہی سجا یا ہے
یہ انداز روایتی ہے۔ عادل اسیر اس سے بھی آگے بڑھ گئے ہیں۔ پچ کیا کیا سوچتے ہیں، آج پچ کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں۔ وہ خود سوچتا ہے:

کیسے بنائی تو نے یہ کائنات پیاری حیران ہو رہی ہے عقل و خرد ہماری
کلیاں مہک رہی ہیں اعجاز ہے یہ تیرا خوشبو کہاں سے آئی اک راز ہے یہ تیرا
ششدھوں دیکھ کے میں اڑتے ہیں کیسے پچھی دریا میں دیکھتا ہوں جاتے ہیں کیسے ماچھی
کس طرح تو نے مولا انسان کو بنایا اکثر میں سوچتا ہوں کیا ہے تو خدا یا پہلیاں اور لطینے بچوں کو بہت پسند آتے ہیں۔ معصوم سے معصوم پچ پہلیاں بوجھتے ہیں۔ بچوں کی ایسی نظموں میں موصوف نے ”اسکول کا بستہ“ بہترین پہلی پیش کی ہے:

کاندھے پر میں جھول رہا ہوں بچوں کے اسکول گیا ہوں
رنگ برنگے تن والا ہوں بلکہ چھلکے من والا ہوں
کاپی کتابوں کا رکھو لا لگا ہوا ہے منہ پر تالا

بچو! انوکھا کام ہے میرا بوجھو تو کیا نام ہے میرا
برسات ہمارے ملک کا مقبول ترین موسم ہے، جس سے بچہ، بوڑھا، عورت، مرد سب
ہی لطف انداز ہوتے ہیں، نظم "برکھا" میں عادل اسیر کا انداز ذرا مختلف ہے:

تن من کو بحاتی ہوئی آئی برکھا۔ پیغام بہاروں کا بھی لائی برکھا
بھرنے لگا اک جوش سامن میں تن میں انسان کی رگ رگ میں سمائی برکھا
خوبصورتی بکھرنے لگی مٹی سے عجب سوکھے ہوئے کھیتوں پر جو چھائی برکھا
عادل اسیر نے اپنی نظموں میں بچوں کی وجدانی ضروریات کے مطابق ان تمام باتوں
کا خیال رکھا ہے جن سے بچوں کی تربیت بھی ہو جائے اور کھیل کھیل میں وہ کام کی باتیں بھی سیکھے
لیں۔ ہماری روزمرہ کی زندگی کے مظاہر اور بول چال کی زبان کا بھی ان نظموں سے گہرا تعلق نظر
آتا ہے۔ تمام نظموں میں سادگی، سلاست اور روانی ہے۔ موضوعات میں تنوع ہے۔ زیادہ تر ایسے
موضوعات کا انتخاب کیا ہے جو بچوں کی فطرت اور دلچسپی کے اعتبار سے کار آمد اور مفید مطلب
ہوں۔ مجموعی طور پر میں بلاشبہ کہہ سکتا ہوں کہ "بچوں کی نظموں" دور جدید کی اہم ضرورت اور اردو
ادب اطفال کے شعری ادب میں گراں قدراًضافہ ہے۔ یہ نظموں اس بات کا ثبوت ہیں کہ عادل
اسیر ادب اطفال کے نمائندہ شاعر ہیں۔ وہ ادب اطفال کے تمام مطالبات سے انتہائی ذمہ داری
اور خلوص کے ساتھ عہدہ برآ ہو رہے ہیں۔

(مطبوعہ: ماہ نامہ "حناؤ انجست"، دہلی، صفحہ ۱۲، ۱۲ ستمبر ۲۰۰۲ء)

بچوں کے تازہ کار شاعر: عادل اسیر دہلوی

فیروز اختر

اردو شاعری میں بچوں کی شاعری گرچہ محتاج تعارف نہیں، غالباً جیسے بانگے شاعر نے بھی ” قادر نامہ“ کی صورت میں بچوں کے لیے شاعری کی تو اقبال جیسے عظیم شاعر نے بچوں کو قابل اعتبار سمجھا اور ان کی ڈینی نشوونما کے لیے خود شاعری کی اور دوسری زبانوں کے شاعروں سے استفادہ کرتے ہوئے خوبصورت نظمیں تخلیق کیں جو بچوں کی شاعری اور ادب اطفال میں گراں قدر اضافے کی صورت میں موجود ہیں۔ ظییر اکبر آبادی نے بھی بچوں کی شاعری کو مالا مال کیا۔ جناب اسماعیل میرٹھی نے بھی اپنی شاعری کو بچوں کے لیے ایک مشن کے طور پر استعمال کیا اور ان کی ڈینی آبیاری میں نمایاں کردار ادا کیا۔ عہد حاضر میں بھی بہترے شاعر ہیں جنہوں نے بچوں کی شاعری کو وقار بخشنے کی کوششیں کیں اور ”ادب اطفال“ کی اہمیت کے خاص علمبردار رہے۔ شفیع الدین نیر، حامد اللہ افسر، مظفر حنفی، ظفر گور کچوری، علقمہ بیلی ایسے شعراء ہیں جنہوں نے بچوں کے لیے قابل لحاظ تعداد میں نظمیں لکھیں اور اشعار کہے اور کتابیں شائع کیں جو بچوں میں مقبول بھی ہوئیں۔ مگر ان معتقد رشاعراء کے باوجود ایسے شاعروں کی تعداد بہت کم ہے جنہوں نے خود کو بچوں کے لیے مخصوص کر لیا ہوا اپنی ساری تخلیقی تو انہی کو بچوں کی شاعری کے لیے وقف کر دیا ہوا، ایسے شعراء کی تعداد انگلیوں میں گنی جاسکتی ہے۔ ایسے میں بچوں کے اہم شاعروں میں دونام میری حقیر رائے میں فی زمانہ بہت شدت کے ساتھ ابھر کر آئے ہیں وہ ہیں مغربی بنگال کے حشمت کمال پاشا اور دہلی کے عادل اسیر دہلوی۔

عادل اسیر دہلوی ایک ایسے شاعر ہیں جنہوں نے بچوں کی شاعری میں نت نے تجربے کیے ہیں۔ رباعی جو ایک مشکل صنف سخن ہے جسے بخاری پتھر سمجھ کر بڑے بڑے شعراء چوم کر چھوڑ دیتے ہیں، اس صنف میں بچوں کے لیے شاعری کرنا کوئی بچوں کا کھیل نہیں۔ ”بچوں کی رباعیاں“ کے پیش افظ میں معروف شاعر اور مبصر و ادیب محترم محمود سعیدی صاحب رقم طراز ہیں:

”رباعی ایک مشکل صنف سخن ہے۔ اس کے تقاضوں سے کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ ہونے کے لیے شاعر کا پختہ مشق اور پختہ عمر ہونا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ عادل اسیر ابھی یہ دونوں

شرطیں پوری نہیں کرتے لیکن رباعی کے ساتھ ان کی طبیعت کو ایک خاص مناسبت ہے اس لیے اپنی شعر گولی کے آغاز ہی سے وہ رباعیاں کہہ رہے ہیں اور اب تک ایک قابل لحاظ تعداد میں رباعیاں کہہ چکے ہیں۔

زیرِ نظر مجموعہ عادل اسیر کی ان رباعیوں پر مشتمل ہے جو انہوں نے بچوں کے لیے کہی ہیں۔ ان رباعیوں میں انہوں نے آسان زبان اور سادہ اسلوب میں ان اخلاقی نکات کو بچوں کے ذہن نشیں کرانے کی کوشش کی ہے جن پر عمل کر کے اچھا انسان اور اچھا مسلمان بن جا سکتا ہے۔ دراصل ان نکات کا سرچشمہ اسلامی فلسفہ اخلاق ہی ہے، لیکن ان سے پوری بنی نوع انسان استفادہ کر سکتی ہے کہ اسلام کا پیغام آفیٹی بھی ہے اور بدی بھی۔

میرے محمد و دمطالعے کی حد تک اردود کے کسی شاعر نے بطور خاص بچوں کو مخاطب کر کے اتنی باقاعدگی سے رباعیاں نہیں کہی ہیں۔ اس لحاظ سے عادل اسیر کے اس مجموعہ رباعیات کو ادب اطفال میں ایک اضافہ قرار دیا جا سکتا ہے، مذکورہ بالا اقتباس کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ عادل اسیر دہلوی نے ایک اہم کارنامہ انجام دیا ہے۔ بچے نرم دل ہوتے ہیں اور شاعری اُنھیں بجا طور پر اپنی طرف کھینچتی ہے اگر آسان لفظوں میں کام کی باتیں دلچسپ پیرائے میں رقم کی جائیں تو یقیناً بچے اس سے متاثر بھی ہوتے ہیں اور اس کا اثر ان کی آنے والی زندگی پر ثابت پڑتا ہے۔ اب آپ عادل اسیر دہلوی کی کچھ رباعیاں پڑھیے جو انہوں نے ”بچوں کی رباعیاں“ اور ”رنگ برلنگے بچوں“ میں لکھی ہیں تو آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ عادل اسیر دہلوی بچوں کی ڈھنی نشوونما میں کتنا انہم کردار ادا کر رہے ہیں اور بچوں کی شاعری کو اپنی تخلیقی ہنرمندی سے مالا مال کرنے کی سعی میں کتنے کامیاب ہیں:

دنیا کی نگاہوں میں وہ ہوں گے اچھے ہر چند کہ ہوں عمر میں بالکل کچھ
شاستہ بزرگوں کو بھی رہنا ہوگا جس بزم میں بیٹھیں گے ادب سے بچے
اگر بچے ادب سے بزم میں بیٹھیں تو پھر بزرگوں کو بھی با ادب ہونا ہوگا جس سے بزم کا وقار بھی بڑھے گا اور سماج میں ادب اور تہذیب بلند و بالا نظر آئیں گے۔

پڑ سکتا ہے صحت پر برا اس کا اثر یہ بات تمحیں یاد رہے شام و سحر
جھک کر جو پڑھو گے تو رہو گے یکار پڑھنے میں رکھا کرو سدا سیدھی کمر
اب آپ دیکھیں ”اصول صحت“ کے اس نکتے کو کتنی آسانی سے عادل اسیر دہلوی نے

بچوں کے ذہن نشیں کرانے کی کوشش کی ہے۔

اندر شہ نقصان نہیں رہتا ہے تو ہین کاسامان نہیں رہتا ہے اخلاق سے جیتا جو کسی کو جائے پھر ہار کا امکان نہیں رہتا ہے اخلاق کی عظمت کاظہار کتنی خوبی سے اس رباعی میں عادل صاحب نے کیا ہے۔ زینے پر ترقی کے ہی چڑھتے رہنا جب راہ ملے تو آگے بڑھتے رہنا پڑھ کر ہی کسی کام کے لائق ہو گے بچپن کیا جوانی میں بھی پڑھتے رہنا عام طور پر مدل کا اس کے بچے جوان ہوتے ہوئے پڑھنے سے دور ہوتے جاتے ہیں مگر عادل اسیر صاحب کا یہ مشورہ ان کے لیے مشعل راہ ثابت ہو گا کہ وہ ہر حال میں تعلیم حاصل کریں کہ تعلیم کے ذریعہ ہی وہ پچھہ بن سکتے ہیں۔

باہر نہ گلی میں کبھی کوڑا ڈالو۔ سڑکوں پر سر عام نہ ملبہ ڈالو
گھر کو نہیں مکتب کو بھی رکھنا تم صاف
لہراتا ہوا کیسے چلا ہے رکشا
اسکول سے آنے کامزہ ہے پچھہ اور
سوکر جو اٹھے گا تو کرے گا ورزش
کاہل تو نظر آتا ہے مریل کی طرح
ابو کا لحاظ اپنے بہر طور کرو
تحک کر ابھی لیئے ہیں کوئی لمحہ ہوا

ان رباعیوں سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ عادل اسیر اپنی شاعری سے بچوں کے کتنے قریب ہیں اور ان کو اپنی شاعری کے ذریعہ آسان طور پر عمدہ شہری اور اعلیٰ انسان بنانے کی کوشش میں کامیاب ہیں۔ یہ وہ رباعیاں ہیں جن سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ عادل اسیر دہلوی بچوں کی ڈھنی نشوونما میں اپنی شعری صلاحیت سے کتنا اہم کام کر رہے ہیں۔ یقیناً بچوں کے لیے لکھنا نہ صرف اہم ہے بلکہ ہم اس طرح اپنے بچوں کی ڈھنی آبیاری کا کام آسانی سے کر سکتے ہیں اور یہ کام کرنے کا بیز اٹھایا ہے عادل اسیر دہلوی نے اور وہ اس میں کامیاب ہیں۔ عادل اسیر نے نہ صرف بچوں کے لیے رباعیاں لکھی ہیں بلکہ ”دو ہے“ بھی لکھے ہیں۔ اس کے علاوہ نشر میں ”بچوں کے اقبال“ کے عنوان سے ایک کتاب تالیف کی ہے جس میں اقبال کی غیر مطبوعہ نظموں کو

شامل کر کے ایک کارنامہ انجام دیا ہے۔ عادل اسیر دہلوی کی پیدائش ۲۱ ستمبر ۱۹۵۹ء کو میں دہلی میں ہوئی۔ ۷۷ رابر س کی عمر میں عادل نے بچوں کے ادب میں کئی کتابیں لکھی ہیں۔ ”پھول مala، چڑیا گھر کے اندر، بیربل کی کہانیاں، بچوں کی نظمیں، کہاوتوں کی کہانیاں، ہمارے سامنے دا، بچوں کی رباعیاں، بچوں کے دو ہے، رنگ برلنگے پھول“۔ ان نشری اور منظوم کتابوں کے ذریعہ وہ ادب اطفال میں اپنی شمولیت کو مضبوط کر رہے ہیں اور ان کی ان کوششوں اور کاوشوں کا اعتراف بھی ہو رہا ہے۔ مگر ان سب باتوں سے الگ یہ ایک نہایت اطمینان بخش بات ہے کہ عادل اسیر آج بھی تازہ کاری کے ساتھ اپنی فکری صلاحیتوں کا بہتر استعمال کرتے ہوئے بچوں کے ادب میں اضافہ کرنے کی کوشش میں سرگردان ہیں جو انھیں یقیناً مستقبل کے ادب اطفال میں ایک اہم مقام دلانے میں کام آئے گا۔

(مطبوعہ: ”سہ ماہی مشر گان“، کولکاتا، ادب اطفال نمبر صفحہ ۱۹۳ تا ۱۹۴، اپریل۔ جون ۲۰۰۶ء)

بچوں کے عادل اسیر

محمد افضل خان

ہندوستان میں مولوی اسماعیل میرٹھی اور شفیع الدین نیز صاحبان نے اپنی پوری زندگی بچوں کا ادب تخلیق کرنے میں صرف کر دی۔ انہوں نے بے شمار نظمیں اور کہانیاں تخلیق کیں۔ 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد سر سید احمد خان نے جہاں اردو کو عام فہم بنانے کی تحریک کا آغاز کیا تھا وہیں مولوی اسماعیل میرٹھی نے بچوں کے ادب کی تخلیق میں زبردست کام شروع کیا۔ اس کے بعد کوئی اہم نام ہے تو وہ شفیع الدین نیز کا ہے۔ بات جب بچوں کی آتی ہے تو چاچا نہرو کا ذکر ناگزیر ہو جاتا ہے کیونکہ انھیں بچوں سے والہانہ محبت اور انسیت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ملک ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو کی تاریخ پیدائش ۱۲ نومبر کو ”یوم اطفال“ کے طور پر منایا جاتا ہے۔ آزادی کے بعد نہرو ہی پہلے شخص تھے جنہوں نے بچوں کو سنوارنے، نکھارنے اور ان کی خوابیدہ صلاحیتوں کو جلا بخشنے کے لیے ۱۹۵۶ء میں بال بھون کا سانگ بنیاد رکھا تاکہ بچوں کو کھیل ہی کھیل میں جذید تعلیم سے آراستہ کیا جاسکے۔ کہا جاتا ہے کہ آزاد ہندوستان کے پہلے وزیر تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد بھی بچوں سے بے حد پیار کرتے تھے اور بچوں کے ادب پر کام کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کیا کرتے تھے۔

بہر حال اگر موجودہ دور میں دیکھا جائے تو بچوں کے لیے نظمیں لکھنے والے شعراء کی ایک طویل فہرست معرض وجود میں آجائے گی۔ بچوں کے شعراء کے اہم ناموں میں پدم شری بیکل اتسابی، علقمہ شبلی، ظفر گور کچوری، مظفر حنفی، محبوب راہی، جشت کمال پاشا، عادل اسیر دہلوی وغیرہ ہیں۔ عادل اسیر نے کم مدت میں بڑا کارنامہ انجام دیا ہے جو کہ اب تک ادب اطفال میں ایک ریکارڈ ہے۔ انہوں نے نظم و نثر میں ہر موضوع پر کتابیں بچوں کے لیے تصنیف کی ہیں۔ بچوں کے ادب پر ان کی یہ کتابیں بہت مقبول ہوئی ہیں: ”بچوں کی نظمیں، بوجھو تو جانیں، گیت مala، بچوں کی رباعیاں، امیر خسرہ کی پہلیاں، بچوں کے دو ہے، بیربل کی کہانیاں، گلستان کی کہانیاں، کہاوتوں کی کہانیاں، ہمارے سامنے داں، چڑیا گھر کے اندر، بچوں کے اسماعیل، رنگ برنگے بچوں“ وغیرہ۔ ان کی خدمات کی بنیاد پر انھیں مختلف اکادمیوں نے انعامات سے نوازا ہے۔ قابل تعریف بات

یہ ہے کہ انھوں نے بچوں کے ادب کی آبیاری کا جو سلسلہ شروع کیا ہے وہ فروغِ اردو کا بنیادی کام ہے اور وہ جو کچھ بھی لکھتے ہیں بچوں کی ذہنی استطاعت اور فہم کے مطابق لکھتے ہیں۔

اردو ادب میں بچوں کے حوالے سے عادل اسیر دہلوی نے مختلف اصنافِ ختن کو اپناتے ہوئے لکھا ہے اور یہ یقیناً ایک مشکل کام ہے۔ عادل اسیر کو بچوں کے معصوم اذہان کو مددِ نظر رکھتے ہوئے قلم اٹھانے اور شاہکار تخلیق کرنے کا فن معلوم ہے۔ مثلاً: نعتیہ شاعری میں رسول پاک کی سیرت، شخصیت اور پیغام کو آسان اور عام فہم زبان میں بچوں کو سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ عادل اسیر دہلوی نے ادب اطفال کی شاعری میں اچھے تجربے کیے ہیں۔ اپنے کلام میں سلاست کے ساتھ خوبصورت اشعار کہنے کی کوشش نہایت کامیابی کے ساتھ کی ہے اور اپنی ادبی صلاحیتوں کو بچوں کے ادب کے لیے وقف کر دیا ہے۔ انھوں نے بچوں کے لیے نظمیں، پہلیاں اور گیت لکھنے کے علاوہ رباءعیاں بھی لکھی ہیں۔ ایک تاثر انگیز رباعی ملاحظہ ہو:-

پیغامِ محبت کا سمجھی کو دینا دنیا میں فروغِ دوستی کو دینا
کہتے ہیں لڑائی کو بری ہے عادل اچھا نہیں گالی بھی کسی کو دینا
اس رباعی میں بچوں کی روزمرہ کی بات کو کس طرح خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا ہے۔
یہ خیال بچوں کے اذہان کو ثابت تاثر دے گا۔ انھوں نے نہایت خوبی کے ساتھ آسان زبان اور بسادہ اسلوب میں اخلاقی نکات کو ذہن نشین کرانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ اسی طرح دنیا میں نباتات اور جنگلات کی کمی ہوتی جا رہی ہے اس تناظر میں ایک اہم سبق آموز نظم ”پیڑ لگائیں“ کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:-

آؤ ہم جنگل کو بچائیں پیڑ نہ کائیں پیڑ اگائیں
ہر دل میں احساس یہ رکھ دیں بات یہ ہر انساں کو بتائیں
پیڑ نہ کائیں آگ کی خاطر ایندھن کوئی اور جلائیں
خطرے میں ہیں پیڑ ہمارے خطرے سے ہم ان کو بچائیں
نئی نسل کی خاطر عادل آؤ ہم بھی پیڑ لگائیں

عادل اسیر دہلوی خالص ادبی مزان اور ستر اذوق رکھنے والے معیاری شاعر ہیں۔ نثر سے لے کر نظم تک مختلف اسلوب فکر اور انداز پیشکش سے سماں باندھ دیتے ہیں۔ ان کی تخلیقات میں ”عام معلومات، روزمرہ کی زندگی، کہانیاں، سبق آموز واقعات“ بچوں کی تفریح طبع کے ذرائع

ہیں۔ بچوں کی تربیت کے لیے دینی اور اخلاقی باتوں کو ”بچوں کے ہے“ میں دلکش انداز میں پیش کیا ہے۔ چند دو ہے ملاحظہ کریں:-

”مسجد میں تم شوق سے، پڑھنے جاؤ نماز
چھپا ہے اس اک کام میں، نیکی کا ہر راز
سب کو یہ معلوم ہے، جانیں خاص اور عام
کرتے ہیں ہم خود بدکی، شیطان ہے بدنام
پڑھنے کے اوقات میں، بھولے سے متکھیل
امتحان میں ورنہ تو، ہو جائے گا فیل“

عادل اسیر کے دو بھوں سے زندگی کی سچائی سبق کی طرح صاف لفظوں میں اتر کر بچوں کے شعور میں داخل ہو جاتی ہے۔ انہوں نے بچوں کے ادب کی فراہمی کو ایک خوش گوار ماحدوں بنادیا ہے۔ عادل اسیر دہلوی کو میں بچوں کے ادب کا جانباز سپاہی سمجھتا ہوں۔ بچوں کی شاعری میں ان کو مختلف اصناف سخن پر قدرت حاصل ہے۔ ان کی زبان نہایت سادہ ہے جس سے ترسیل کا مسئلہ پیدا نہیں ہوتا۔

دلی والے اردو کے معاملے میں اہل زبان کہلاتے ہیں۔ ان کی عام بول چال کی زبان بھی پیاری ہوتی ہے۔ بچوں کے معتبر شاعر اور ادیب عادل اسیر بھی دلی والے ہیں۔ ان کی زبان میں دہلوی چاشنی بھر پور موجود ہے۔ اپنی پیاری پیاری نظموں میں دلچسپ اور سبق آموز با تمیں اطف اندوز پیڑائے سے کہنے کا ہنر انھیں خوب آتا ہے۔ جن کو پڑھ کر بچے بہت آسانی کے ساتھ اثرات قبول کرتے ہیں۔ انہوں نے ”لغۂ حیام“، یعنی عمر خیام جیسے قد آور اور بلند مرتبہ شاعر کا اردو میں منظوم ترجمہ کر کے شعر گولی کی بھر پور صلاحیت اور فارسی پر مکمل عبور کا ثبوت دیا ہے۔ اس کا اعتراف ہر صاحب علم قاری خوب کرتا ہے۔ بچوں کا ادب لکھنے والوں میں ظیرا کبر آبادی، حالی، اقبال، حفیظ جالندھری وغیرہ نے آسان ہلکی چھلکی دلچسپ اور سبق آموز نظمیں لکھی ہیں اور طوطی ہند امیر خرو نے بچوں کے لیے خوبصورت اور دلچسپ پہلیاں لکھ کر ایک مثال قائم کی ہے۔ عادل اسیر دہلوی کی شاعری مختلف جہتوں پر طبع آزمائی کی کامیاب مثال ہے۔ نظموں کے ساتھ ان کو غزل گولی میں بھی مہارت حاصل ہے۔

عادل اسیر دہلوی کی تاریخ پیدائش ۲۱ ستمبر ۱۹۵۹ء ہے۔ اردو میں ایم۔ اے کی ذگری

آگرہ یونیورسٹی سے اور مولوی فاضل کی سند پنجاب یونیورسٹی، چندی گڑھ سے حاصل کی ہے۔ ان کا مشغله تصنیف و تالیف اور ترجمہ و صحافت پر احاطہ کرتا ہے۔

عادل اسیر دہلوی نے نئی تخلیقات پیش کر کے ہندوستانی بچوں کو اردو زبان سے رغبت دلائی ہے ان کی ذہنی آبیاری کی ہے۔ نظموں، پہلیوں، گیتوں، دوہوں اور رباعیوں کی شکل میں ان کی تخلیقات بچوں میں نئی منگیں بھر دیتی ہیں۔

اردو ادب اطفال میں آپ کا ہر کارنامہ نہایت چونکا دینے والا ہے۔ آپ نے تقریباً پچاس سے زیادہ کتابیں تصنیف کی ہیں۔ بچوں کے ادب کو عادل اسیر پر ناز ہے۔ اس تناظر میں ”عادل نامہ“ کے عنوان سے احسان ثاقب نے عادل اسیر دہلوی کی منظوم سوانح بھی تحریر کی ہے۔ عظیم اختر نے ”عادل اسیر دہلوی: ایک ہمہ اضاف شاعر“، لکھ کر اعتراف کیا ہے تو ڈاکٹر سید معصوم رضا نے ”عادل اسیر دہلوی: شخصیت اور فن“ کے ذریعے خراج تحسین پیش کیا ہے۔

”بچوں کی رباعیاں (۱۹۹۵ء)، آسان نظمیں (۱۹۹۹ء)، گیت مala (۱۹۹۹ء)، بیربل کی کہانیاں (۱۹۹۶ء)، رباعیاتِ عادل (۲۰۰۱ء)، گلدستہ نعت (۲۰۰۱ء)، گنجانامہ (۲۰۰۵ء)، بچوں کے گیت (۲۰۰۵ء)“، آپ کی ایوارڈ یافتہ کتابیں ہیں۔ اس کے علاوہ اردو اکادمی دہلی نے مجموعی خدمات پر ”ایوارڈ برائے بچوں کا ادب (۱۹۹۶ء)“ سے بھی عادل اسیر دہلوی کو نوازا ہے۔ اردو زبان میں بچوں پر لکھے گئے عادل اسیر کے اشعار پر اہل نقد و نظر کی توجہ ضروری ہے۔ اس ضمن میں عادل اسیر دہلوی کی تصانیف کو فراموش نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ان کی تخلیقات سے نئی نسل استفادہ کرتی رہے گی۔

(مطبوعہ: ”اجالا“، ایڈیشن، روزنامہ ”آزاد ہند“، کلکتہ، ۲۰ مئی ۲۰۰۷ء)

ادب اطفال کے رمز شناس: عادل اسیر دہلوی

ڈاکٹر امین رہبر

دنیا کی تقریباً هزار بان اور اس کے ادب میں بچوں کو رجھانے کی کوشش کی گئی ہے اور ان کی تسلیم کا کچھ نہ کچھ سامان ضرور موجود ہے۔ اردو زبان و ادب کو بھی بچوں کے لیے تحفہ پیش کرنے میں سبقت حاصل ہے۔ وہ ادب چاہے دادی نانی کی کہانیوں کے ذریعے دلوں میں اترتا ہو یا گیتوں، نظموں اور دیگر اصناف سخن کے دیلے سے بچوں کے ذہن میں گھر بناتا ہو۔ بہر حال بچوں کا ادب اردو میں کثرت سے موجود ہے لیکن ہمارے مقتندرو معتبر شعرائے کرام اور ادیبوں کا کچھ ہی کلام یا کہانیاں ایسی ہیں جو بچوں کو راس آتی ہیں۔ ان کی بیشتر تخلیقات بچوں کے مزاج سے ہم آہنگ نہ ہونے کی وجہ سے بچوں کے لیے بے معنی ہیں۔ البتہ بار کہا د کے قابل ہیں عادل اسیر دہلوی صاحب جنہوں نے خود کو ادب اطفال کے لیے وقف کر رکھا ہے۔ ان کی نشری کاؤنسلیں ہوں یا منظومات کی شکل میں خیالات و جذبات پیش کرنے کی نیک کوشش، وہ اپنی تخلیقات کے ذریعے بچوں کے دل و دماغ میں گھر بناتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ وہ ادب اطفال میں بڑی مہارت رکھتے ہیں۔ جس کے ذریعے انھیں شاندار کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ اپنے ایک مضمون میں ڈاکٹر اسلام پرویز نے فرمایا ہے:

”عادل اسیر کی مختلف النوع تالیفات پر نظر ڈالیے تو انداہ ہوتا ہے کہ انہوں نے بچوں کے ادب کے میدان میں بے سوچ سمجھے قدم نہیں رکھا ہے۔ بلکہ بچوں کے ادب کے ساتھ انھیں ایک فطری لگاؤ ہے۔“ (”محمد عادل بنام عادل اسیر“، مطبوعہ ۱۹۹۹ء، ”گیت مالا“، صفحہ ۲)

عادل اسیر دہلوی کی کتاب ”بچوں کے دو ہے“ پر مضمون لکھتے ہوئے جناب انور کمال حسینی نے اپنی رائے یوں ظاہر فرمائی ہے: ”میں تو انھیں اردو کا ایک ایسا سپاہی سمجھتا ہوں جس نے خود کو بچوں کے ادب کی آبیاری کے لیے وقف کر رکھا ہے۔“ (”بچوں کے ادب و شاعر: عادل اسیر دہلوی“، مطبوعہ ۲۰۰۰ء، ”بچوں کے دو ہے“، صفحہ ۳)

اظہار بچوں کے لیے لکھنا آسان کام نظر آتا ہے لیکن جب اسے عملی جامد پہنایا جائے تو

بے حد مشکل معلوم ہوتا ہے۔ ہر عہد کے قلم کار جب لکھنا شروع کرتے ہیں تو وہ بچوں کی طرف زیادہ توجہ نہیں دیتے حالانکہ ادب بالغان پر وہ اپنی پوری قوت صرف کر دیتے ہیں۔ میں صحیح طور پر یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ بچوں کا ادب کون سا ہے اور بالغوں کے لیے جو ادب ہوتا ہے اُس میں کیا فرق ہے اور ان دونوں کے شرائط کیا ہیں۔ لیکن مجموعی طور پر میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ بچوں کے لیے وہ تصنیفات موزوں ہیں جو بچوں کے نزدیک پسندیدہ ہوں۔ بچے جن میں دلچسپی لیتے ہوں۔ جن میں بچوں کی تفریح کا سامان موجود ہو۔

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ بچے وہ کہانیاں سننا اور نظمیں پڑھنا زیادہ پسند کرتے ہیں جن کی زبان سادہ عام فہم اور سہل ہو۔ طرزِ بیان دلچسپ ہو۔ ایسی کہانیاں اور نظمیں بچوں کو جلد ذہن نشین ہو جاتی ہیں۔ عادل اسیر دہلوی کی کہانیوں اور نظموں میں یہ خوبی بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ وہ مکمل طور پر ادب اطفال سے وابستہ ہیں اور مذکورہ بالا تمام باتیں ذہن میں رکھ کر تصنیفی دنیا میں آگے قدم بڑھاتے ہیں۔ انہوں نے نظموں، گیتوں اور رباعیوں کی شکل میں اچھا خاصہ سرمایہ ادب اطفال کو پیش کر دیا ہے۔

ادب اطفال کی دنیا میں قدم رکھنے سے پہلے انہوں نے سینکڑوں کی تعداد میں غزلیں اور رباعیاں بھی تصنیف کیں جو متعدد رسائل و جرائد میں بکھری پڑی ہیں لیکن بعد ازاں وہ اپناراستہ تبدیل کر کے بچوں کی طرف لوٹ آئے اور ادب اطفال کے ذریعے اردو زبان و ادب کی بنیادی خدمت شروع کر دی۔ موصوف کو جوانی کے عالم میں بچوں سے اس قدر محبت و شفقت ہے کہ اپنی تصنیفات کے آئینے میں خود ایک معصوم بچہ معلوم ہوتے ہیں۔ اپنی تخلیقات کے ذریعے بچوں کو وہ جو تخفیف پیش کرتے ہے وہ نہ تو بچوں کی طرح مر جھاتے ہیں اور نہ تسلی کی طرح جاں بہلب ہوتے ہیں اور نہ ان مٹھائیوں کی طرح ہوتے ہیں جو چند روز میں اپنا ذائقہ بدل دیتی ہیں۔ بلکہ ان کے تخفیف بچوں کی زندگی میں روشنی کر کے ان کے مستقبل کوتا بنا ک بناتے ہیں۔ عادل اسیر کے یہ تخفیف مطبوعہ شکل میں موجود ہیں جن کی تعداد ذہنی تین درجن سے زیادہ ہے۔ یہ تمام تخلیقی تخفیف الگ الگ ذائقہ رکھتے ہیں۔ بچوں کے مزاج میں بھی تکون ہوتا ہے۔ اس لیے یہ سب تخفیف بچوں کو بے حد پسند آتے ہیں۔

عادل اسیر دہلوی بچوں کی نفیاں پر گہری نظر رکھتے ہیں اور ان کی فطرت کے مطابق کام کرتے ہیں۔ جس کا سبب یہ ہوا کہ کبھی تو وہ بچوں کو ”بچوں ہی بچوں“ کا تخفیف پیش کرتے ہیں تو

کبھی ”پھول مala“ سے نوازتے ہیں۔ کبھی ”رنگ برنگے پھول“ عطا کرتے ہیں تو کبھی بچوں کی خوصلہ افزائی کرتے ہوئے ”جگل جگل، آگو بکو، بلے بلے، پیارے پیارے“ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ بچوں کی فطرت ہوتی ہے کہ نظموں، گیتوں اور کہانیوں سے زیادہ بہلتے ہیں تو ان کی طبیعت کے مطابق، ”آسان نظمیں، گیت مala، بچوں کی نظمیں، نسخی منی نظمیں، بچوں کے گیت“ اور ”نخے منے گیت“ کے ذریعے ان کے دلوں کو بہلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب بچے گیتوں اور نظموں سے اپنے دلوں کو محظوظ کر لیتے ہیں تو وہ بچوں سے کچھ پہلیاں بھی بوجھتے ہیں تاکہ بچوں کا ذہن بیدار اور بیلغ ہو جائے اور وہ ”بوجھو تو جانیں، امیر خرسو کی پہلیاں، آسمانی بوجھ پہلی، پہلیاں“ کے ذریعے ان کے ذہن کو جلا بخشنے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اور جب بچوں کو تحکان محسوس ہونے لگتی ہے تو وہ بچوں کو تفسیح کے لیے ”چڑیا گھر کے اندر“ لے جاتے ہیں۔ وہاں طرح طرح کے جانوروں، پرندوں کا بچوں سے تعارف کرتے ہیں اور جب چڑیا گھر کی سیر سے بچوں کا دل بھر جاتا ہے تو ان کو طرح طرح کی کہانیاں سانا شروع کر دیتے ہیں جس میں ”گلستان کی کہانیاں، بیربل کی کہانیاں“ اور ”کہاولوں کی کہانیاں“ کے ذریعے بچوں کے دلوں کو جیتنا چاہتے ہیں۔ بعد ازاں کچھ راز و نیاز کی باتیں بھی ان کے دلوں میں اتنا ناچاہتے ہیں اور اشاروں کنایوں میں بہت ساری گیرائی و گہرائی والی باتیں بھی کہہ گزرتے ہیں۔ اس ضمن میں ان کی تصنیف ”بچوں کے دو ہے“ کا ذکر ضروری ہے جس کے ہر دو ہے میں بچوں کے لیے نصیحتوں کا خزانہ بھرا پڑا ہے۔ ان تمام نادر تھنوں کے ساتھ وہ ایک ایسا تحفہ بھی پیش کرتے ہیں جس کی مہک زندگی میں ہی نہیں مرنے کے بعد بھی ساتھ رہتی ہے۔ جس کے ذریعے انہوں نے بچوں کو اللہ اور اُس کے رسولؐ کی تعلیمات کی طرف متوجہ کیا ہے۔ جس کی نصیحت آمیز باتیں بچوں کی عاقبت سنوارتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ میری مراد ”گلدستہ نعمت“ سے ہے۔ جس میں دین و مذہب کی بہت ساری باتیں موجود ہیں۔

بہر حال جب ہم عادل اسیر دہلوی کی تصنیفات کا بغور جائزہ لیتے ہیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ بچوں کی نفیات سے آگاہ ہیں اور ان کی فطرت کے رمز شناس ہیں۔ علاوہ از یہ درج ذیل اسباب بھی عادل اسیر کو بچوں کا ایک اہم شاعر اور ادیب ثابت کرتے ہیں:

(۱) کتاب بچوں کی شکل میں تصنیفات (۲) عام فہم زبان کا استعمال (۳) بچوں کے پسندیدہ

موضوعات

۲۔ خوبصورت اور با تصویر کتابیں۔

مذکورہ بالا خصوصیات کی روشنی میں عادل اسیر دہلوی کی تخلیقات کو پر کھا جائے اور ان کی قدر و قیمت کا تعین کیا جائے تاکہ ان کے فن کی ایک واضح اور روشن تصویر ابھر کر سامنے آسکے۔
کتابچوں کی شکل میں تصنیفات:

عادل اسیر دہلوی کی تمام تخلیقات کتابچوں کی شکل میں ہیں جنہیں ایک نشست میں آسانی سے پڑھا جاسکتا ہے۔ یہ بچوں کی فطرت کے عین مطابق ہے۔ اس طرح بچے کتابوں میں الجھنے سے نجح جاتے ہیں۔ مختصری کتاب تھوڑے وقفے میں مطالعہ کر لی جاتی ہے۔ ہمارے ادب میں جو شخصیم کتابیں موجود ہیں وہ بچوں کے مطلب کی نہیں ہیں۔ ان کی ضخامت دیکھ کر ہی بچوں کو پسندہ آنے لگتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ادب کے بالغ قارئین انہیں ماہ و سال میں ہضم کر لیں۔
بہر حال کہنا صرف یہ ہے کہ عادل اسیر دہلوی نے اپنی تصنیف کو کتابچوں کی شکل میں پیش کر کے ایک مستحسن قدم اٹھایا ہے۔

عام فہم زبان کا استعمال:

عادل اسیر کی تصنیفات کی دوسری خوبی یہ ہے کہ ان میں عام فہم زبان کا استعمال ہوا ہے۔ سید ہے سادے الفاظ ہیں جو بچوں کی سمجھ میں آسانی سے آ جاتے ہیں۔ تمام نظموں اور گیتوں کا اندازِ بیان عام فہم اور سیدھا سادہ ہے۔ جو چیز بچوں کے لیے بارگراں ہو سکتی تھی وہ صنفر رباعی اور دوہا ہے لیکن عادل اسیر نے یہاں بھی اپنے قلم کو قابو میں رکھا ہے۔ خاص طور پر رباعی ایسی صنفِ خن ہے جس میں بڑے بڑے شعر اکوہو ہوا ہے۔ انہوں نے اس مشکل ترین صنفِ خن کو بھی بچوں سے قریب کر دیا ہے جن میں اگرچہ بعض رباعیاں اپنے مشکل الفاظ کی وجہ سے بچوں کے فہم و ادراک سے بالآخر نظر آتی ہیں لیکن مجموعی طور پر بچوں کے لیے بے حد کارآمد ہیں۔

”بچوں کے دو ہے“ بھی عادل اسیر کا شاہکار ہے۔ جس میں پہلے خدا کی تعریف اور پھر رسول اکرمؐ کی توصیف بیان کی گئی ہے۔ بعد ازاں متفرق مضامین پیش کیے گئے ہیں۔ ان ذہنوں میں الفاظ کی سادگی بچوں کو متوجہ کرتی ہے:

تیرے کرم کی آس ہے، تیرے کرم سے کام کرتے ہیں ہر کام ہم، لے کر تیرا نام
عادل اسیر بچوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب کوئی کام شروع کیا جائے تو
سب سے پہلے اللہ کا نام لیں پھر رسول اکرمؐ کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے کی تلقین فرمائی ہے:

چلا جو رستہ آپ کا، اُس کا بیڑا پار ساحل ہے اس کے لیے، ساگر کی مندرجہ
اس کے علاوہ حج بولتے، دوسروں کی مدد کرنے، ایمان بچانے، استاد کی عزت کرنے،
اسکوں جانے اور تعلیم حاصل کرنے کی تلقین فرماتے ہوئے زندگی میں پیش آنے والی بہت ساری
باتوں کی نصیحت کی ہے۔ اُسی طرح جب اُن کی رباعیوں کا جائزہ لیتے ہیں تو اُن میں بھی جا بے جا
نصیحت آمیز باتیں ملتی ہیں جو کہ بچوں کے ساتھ بالغوں کے لیے بھی کارآمد ہیں۔ رباعیوں میں
الفاظ کی سادگی اور عام فہم زبان نے اُن کی شاعری کو بچوں میں مقبولیت کا ذریعہ بنادیا ہے۔ مثلاً یہ
رباعی دیکھیں:

جب کام کرو کوئی کہو بسم اللہ آغاز میں ہر بار پڑھو بسم اللہ
پڑھتے ہوئے بسم اللہ سبق یاد کرو تختی پہ سدا پہلے لکھو بسم اللہ
ظاہر ہے کہ وہ بچوں کو ہر کام شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کی تاکید فرمائے ہے
ہیں۔ مزید یہ کہ دوسری رباعیوں میں ایسے الفاظ کا استعمال ہوا ہے جو خالص بچوں کے ہیں۔ مثلاً،
ٹافی، بسکٹ، باجی، بھیا، اماں، ابا، موونگ بچلی، لڈو، مینڈک، کتا، مچھلی وغیرہ ایسے الفاظ ہیں جو
بچوں کے لیے ناماؤں نہیں ہیں۔ وہ اپنی رباعیوں کے ذریعے بچوں کو اس طرح نصیحت کرتے ہیں
کہ ذرا بھی اُن کے مزاج پر گراں نہیں گزرتی اور وہ فوراً قبول کر لیتے ہیں۔ اس طرح وہ بچوں کے
ایک کامیاب شاعر نظر آتے ہیں۔ عادل اسیر کی رباعی گوئی کے بارے میں محمود سعیدی اپنے لفظوں
میں یوں فرماتے ہے:

”میرے محمد و دمطائی کی حد تک اردو کے کسی شاعر نے بطور خاص بچوں کو میا طب
کر کے اتنی باقاعدگی سے رباعیاں نہیں کہی ہیں۔“ (پیش لفظ ”بچوں کی رباعیاں“، مطبوعہ ۱۹۹۵ء
صفحہ ۳)

”گلدستہ نعت“ عادل اسیر دہلوی کی نعمتوں کا مجموعہ ہے۔ نعت کا مسئلہ بڑا نازک ہے۔
یا ایسی صنف تختن ہے جس میں دل کو بیدار، نظر کو ہوشیار اور قلم کو محتاط رکھنے کی ضرورت ہوتی۔ ہم۔ اس
مشکل صنف تختن میں بھی انہوں نے بچوں کے لیے اچھا خاصہ مواد پیش کر دیا ہے اگرچہ بعض نعمتوں
میں مشکل الفاظ کا استعمال ہوا ہے جن کے بعض اشعار بچوں کی سمجھ سے بالآخر ہیں۔ دراصل یہ نعمتوں
بچوں کے لیے نہیں کہی گئی ہیں۔ ”گلدستہ نعت“ کی چند نعمتوں ہی بچوں کے لیے موزوں معلوم ہوتی
ہیں۔ ”گلدستہ نعت“ عام قارئین کے مطالعے کی چیز ہے۔ لیکن اس میں بھی عادل اسیر نے بچوں کو

یاد رکھا یہ غیمت ہے۔

”گلدستہ نعت، رباعیات عادل،“ اور ”نغمہ خیام“ کی طرح ”گنجانامہ“، بھی عادل اسیر نے عام قارئین کو ذہن میں رکھ کر تخلیق کی ہے اگرچہ ”گنجانامہ“ میں بعض منظومات بچوں کے لیے بھی ہیں لیکن دراصل یہ کتاب بالغوں کے ادب کا ہی حصہ ہے۔

عادل اسیر نے نعمتوں میں بھی پند و نصائح کا سلسلہ جاری رکھا ہے جس طرح دو ہوں اور رباعیوں میں انہوں نے رنگ اختیار کیا ہے وہی انداز اُن کی نعمتوں کا بھی ہے۔ ملاحظہ ہو:

لے نام سب سے پہلے خدائے عظیم کا	پھر ذکر کر جناب رسول کریمؐ کا
جنت میں ہو گا داخلہ مجھے بے اصول کا	دوں گا جو واسطہ میں خدا کو رسولؐ کا
بہر حال نعمتوں میں رسول پاک کی تعریف و توصیف کی روشنی سے داؤں کو محلی و منور کرتے ہیں۔ ہر شعر میں عشق رسولؐ کی مشہاس محسوس ہوتی ہے۔ اسی لیے پروفیسر عنوان چشتی بنے فرمایا ہے:	

”عادل اسیر کی نعمتوں کو پڑھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ شاعر نے دینی معلومات اور پاکیزہ جذبات کے ساتھ نعیسی کی ہیں۔“ (پاکیزہ جذبوں کا شاعر۔ عادل اسیر، مطبوعہ ۱۹۹۶ء ”گلدستہ نعت“ صفحہ ۲)

بچوں کے پسندیدہ موضوعات:

ہر شخص نے بچپن کا زمانہ گزارا ہے۔ جن میں سے بعض حضرات سرسری طور پر گزر گئے۔ بعض لوگوں نے بچپن کی راہوں کے نشیب و فراز پر بھی نگاہ رکھی ہے۔ عادل اسیر کا شمارا یے ہی لوگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے بچپن کی باتوں اور یادوں کو فراموش نہیں کیا ہے۔ جس کا اظہار اُن کی نظموں میں ہوتا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کی نظموں کے موضوعات بچوں کے پسندیدہ موضوعات ہوتے ہیں۔ وہ بچوں کی پسند اور اُن کی فطرت سے خوب واقف ہیں۔ اسی لیے عین بچوں کی فطرت اور اُن کی طبیعت کے مطابق اُن کی پسند کے موضوعات پر نظمیں اور گیت لکھتے ہیں۔ جنہیں پڑھ کر بچے خوش ہوتے ہیں اور ان کے دل و دماغ مسرور ہوتے ہیں۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ عادل اسیر بچوں کی پسند کا بے حد خیال رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کی کہانیاں، پہلیاں، رباعیاں، مائیے، کہہ مکر نیاں، نعیسیں، نظمیں، دو ہے وغیرہ سب بچوں میں بے حد مقبول ہیں۔

خوبصورت اور بالتصویر کتابیں:

بچوں کو ادب سے قریب کرنے کا جو فن عادل اسیر کے پاس ہے وہ دوسروں کے یہاں نہیں ملتا۔ وہ اپنی کتابوں کے نام بھی اس طرح تجویز کرتے ہیں کہ پچھے اپنی ضرورت کی چیزوں سے سمجھنے لگتے ہیں۔ مثلاً: ”نفحی منیِ نظمیں، بچوں کی نظمیں، آکو بکو، بلے بلے، چڑیا گھر کے اندر، بچوں کے گیت، بچوں ہی بچوں، بوجھو تو جانیں، رنگ برنگے بچوں“، وغیرہ ایسے عنوانات ہیں جو بچوں کی سمجھ بوجھ کے مطابق ہیں اور ان کے نزدیک پسندیدہ ہیں۔ میں نے بعض شعرا کی کتابوں کے نام ایسے مشکل دیکھے ہیں کہ جن کو سمجھنے کے لیے لغات کی ضرورت ہوتی ہے۔ بہر حال میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ بچوں کی کتابوں کے نام آسان اور عام فہم ہوں تاکہ بچوں کو کسی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

عادل اسیر صاحب کی کتابوں کی ایک اہم اور قابل تعریف خوبی اُن کا دلکش اور بالتصویر ہونا ہے۔ تصویروں کی مدد سے بچوں میں کتابوں کے لیے دلچسپی پیدا کی جاتی ہے۔ عام سادہ تصویروں سے عاری کتابوں کی بہ نسبت پچھے بالتصویر کتابیں زیادہ پسند کرتے ہیں۔ مصور کتابیں، بچوں کو حکلوں کی طرح معلوم ہوتی ہیں اور وہ اُن کی جانب جلدی راغب ہو جاتے ہیں۔ بچوں میں عادل اسیر صاحب کی کتابوں کی مقبولیت کا یہ بھی ایک اہم سبب ہے۔

عادل اسیر دہلوی کی تصنیفات کا مجموعی طور پر جائزہ لینے کے بعد میں صرف اتنا ہی کہوں گا کہ انہوں نے اردو کی تمام اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے جس میں غزل، رباعی، دوہا، ماہیا، کہہ مکری، گیت، نعت وغیرہ تمام اہم اصناف شامل ہیں۔ اُن کی تخلیقات کی تعداد دھائی تین درجہن کے قریب ہے۔ اُن کا تخلیقی سفر ابھی جاری ہے۔ اردو زبان و ادب کو مستقبل میں اُن سے بہت زیادہ توقعات ہیں۔ علاوہ ازیں اُن کی مقبولیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اُن کی کتابوں کی اشاعت متعدد بار ہوئی ہے جبکہ عام طور پر کسی اردو کتاب کا ایک ایڈیشن بھی بہ مشکل فروخت ہو پاتا ہے۔

عادل اسیر دہلوی قابل مبارکباد ہیں کہ اپنے تخلیقی سفر کے دوران انھیں کچھ انعامات و اعزازات سے بھی نوازا گیا ہے جس سے یقیناً انھیں خوشی ہوئی ہوگی۔ بہر حال اُن کو حاصل ہونے والے بعض انعامات و اعزازات کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے:

۱۔ ”بچوں کی رباعیاں“ اردو اکادمی، دہلی (۱۹۹۵ء) ۲۔ ”ایوارڈ برائے بچوں کا

ادب، اردو اکادمی، دہلی (۱۹۹۲ء) ۳۔ ”بیربل کی کہانیاں“، (ادب اطفال ایوارڈ) مغربی بنگال اردو اکادمی، کولکاتا (۱۹۹۲ء) ۴۔ ”گیت ملا“، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ (۱۹۹۹ء) ۵۔ ”آسان نظمیں“، (ادب اطفال ایوارڈ) مغربی بنگال اردو اکادمی، کولکاتا (۱۹۹۹ء) ۶۔ ”گلدستہ ثبت“، اردو اکادمی، دہلی (۲۰۰۱ء) ۷۔ ”رباعیات عادل“، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ (۲۰۰۱ء) ۸۔ ”گنجانامہ“، اردو اکادمی، دہلی (۲۰۰۵ء) ۹۔ ”بچوں کے گیت“، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ (۲۰۰۵ء)

اس کے علاوہ ان کی شخصیت اور فن پر وقت کے نامور اور معتبر قلم کاروں نے بہت سارے مضامین پر قلم کیے ہیں۔ عظیم اختر، ڈاکٹر سید مصوم رضا اور احسان ثاقب نے ان کے فن اور شخصیت پر جو کچھ لکھا ہے وہ مطبوعہ شکل میں منظر عام پر آچکا ہے۔ عظیم اختر صاحب کی کتاب کا نام ”عادل اسیر دہلوی: ایک ہمہ اصناف شاعر“ ہے جبکہ ڈاکٹر سید مصوم رضا کی تصنیف کا نام ”عادل اسیر دہلوی: شخصیت اور فن“ ہے۔ احسان ثاقب کی تصنیف ”عادل نامہ“ منتشر شکل میں ہے جس میں ڈھائی سوا شعارات میں عادل اسیر دہلوی کی سوانح عمری تحریر کی ہے اور ان کو اپنے انج تحسین پیش کیا ہے۔

آخر میں یہ ضرور کہوں گا کہ عادل اسیر نے ادبی دنیا میں جور نگ برجئے پھول کھلائے ہیں خدا کرے ان کی خوبیوں ہمیشہ قائم رہے۔ بچوں کے ادب میں جو سلسلہ انہوں نے جوانی سے شروع کیا ہے امید ہے کہ وہ آخر وقت تک باقی رہے گا۔ وہ بچوں کو اسی طرح ہنساتے کھلاتے اور ان کو زندگی کے رموز و نکات سے آگاہ کرتے رہیں گے۔

مطبوعہ: ”قوس قزح“، اتوار ایڈیشن، اردو روزنامہ ”ہندوستان ایکسپریس“، نئی دہلی۔ ۱۰۔ ۷ ابریجنون ۲۰۰۷ء

تعارف



فیروز مظفر انجینئر، مشہور و معروف شاعر اور ادیب پروفیسر مظفر حنفی کے صاحبزادے ہیں۔ دہلی کے ادبی حلقوں میں خاصی جانی پہچانی شخصیت ہیں، سرکاری ملازمت (ایم سی ڈی میں جو نیز انجینئر سول کے عہدے پر فائز ہیں) کے ساتھ ساتھ ادبی سرگرمیاں بھی جاری رہتی ہیں۔ اب تک فیروز صاحب کی کئی کتابیں منظر عام پر آ کرداد و تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ جن میں: ”مظفر حنفی: ایک مطالعہ، ساغر بنام ذکیرہ، مکتبات ساغر نظامی“، اور ”مظفر حنفی سوالوں کے حصاء میں“، کافی اہم کتابیں۔ امسال بھی آپ کی کئی کتابیں زیر طبع ہیں۔

فیروز صاحب کو ان کی کئی کتابوں پر، مغربی بنگال، بہار اور ارد و اد کادمی دہلی نے انعامات مل چکے ہیں۔ دہلی سرکار کی جانب سے ”ہندی پرسکار“ اور دہلی کی ہی ایک اور تنظیم کی طرف سے ”راجدھانی گورو پرسکار“، بھی آپ کو مل چکے ہیں لیکن ان انعامات و اعزازات سے زیادہ فیروز مظفر صاحب کو اس بات پر فخر ہے کہ وہ مظفر حنفی صاحب کے بڑے بیٹے ہیں۔

فیروز مظفر صاحب ایک کامیاب سول انجینئر ہیں۔ ان کو مختلف اسپورٹس یعنی کرکٹ اور بیڈمنٹن وغیرہ میں بھی مہارت حاصل ہے۔ وہ ایک اچھے سوٹل ورکر بھی ہیں۔ ان کی لیاقت اور فرض شناسی پر ان کے دوست اور احباب فخر محسوس کرتے ہیں۔

فیروز مظفر ۵ مئی ۱۹۶۳ء کو اتر پردیش کے قصبہ ہسوہ (فتح پور) میں پیدا ہوئے۔ دہلی سے بی ای سول کر کے ایم سی ڈی میں سول انجینئر کے طور پر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ وہ حلقة، فکر و فن اور کئی دوسری فعال ادبی تنظیموں سے بھی وابستہ ہیں۔ فیروز صاحب کا پتہ ہے: